سے نہیں کیا جاتا ہے جو وضو اور غسل سے حاصل ہوتی ہے۔

نئی تحقیق سے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ ہاتھوں کی کھال پر گوناگوں ایسے جرثومے ہوتے ہیں کہ ان کو دھو کر صاف نہ رکھا جائے تو یہ منہ اور ناک میں داخل ہوجاتے ہیں۔ اللہ کے نبیؐ نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص بھی سو کر اٹھے تو وہ برتن میں اپنا ہاتھ داخل کرنے سے پہلے تین بار اس کو اچھی طرح سے دھو کر صاف کرلے۔ وضو کی ابتداء میں ہاتھوں کو اچھی طرح دھونے کا حکم ہے۔

تحقیق جدید سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ دست بازو کے اوپری حصہ میں اور پاؤں و پنڈلی کے نچلے حصہ میں دوران خون قلب سے دوری کے باعث دوسرے اعضاء کی بہ نسبت کم پہنچتا ہے، لہٰذا جسم کے ان اعضاء کو رگڑ کر دھونے سے خون کا دوران بھی بڑھتا ہے اور اس کے نتیجہ میں آدمی نشیط رہتا ہے اور اس کی قوت کارکردگی میں اضافہ بھی ہوتا ہے لہٰذا ان تمام باتوں سے وضو کی مشروعیت کا علمی اعجاز نمایاں ہوتا ہے۔

لندن کے رائل میڈیکل انسٹی ٹیوٹ کے رکن اور قلب و باطنی امراض کے ماہر ڈاکٹر احمد شوقی ابراہیمی کہتے ہیں کہ سائنس داں اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ وضو کے درمیان پانی پر روشنی پڑنے سے منفی برقیات ذرات کے اندر تحریک پیدا ہونے سے اور مثبت برقیات ذرات کے اندر ثقل پیدا ہونے سے جسم کو راحت و سکون نصیب ہونے کے ساتھ ہائی بلڈ پریشر، پٹھوں کے درد اور اضطراب، بے چینی، کم خوابی، جیسی بیماریوں سے بھی چھٹکارا ملتا ہے۔ جس کی تائید ایک امریکی سائنسداں کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ پانی کے اندر ایک جادوئی قوت پوشیدہ ہے اور وضو کے ارادے سے چہرہ اور ہاتھوں پر پانی بہانے سے جسم کو انتہائی فرحت اور سرور حاصل ہوتا ہے۔

حق یہ ہے کہ اسلام کے ہر حکم کے اندر بیشمار ظاہری و باطنی روحانی و جسمانی اخلاقی و آفاقی ایسے فوائد و کمالات اور منافع پوشیدہ ہیں کہ جن کو اختیار کر کے اور مشعل راہ بنا کر اگر دنیا اس کی روشنی میں اپنا علمی و تحقیقی سفر شروع کرے تو پوری انسانیت کو امن و آشتی اور سکون و قرار کا انمول پیغام اور ہدایت و رہنمائی کا سرمدی انعام حاصل ہوسکتا ہے۔

●●

رضوان کے سالانہ خریداروں سے گزارش

یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ ماہنامہ رضوان کی اشاعت خالص تبلیغی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کی جاتی ہے۔ کوئی تجارتی کاروباری مفاد اس اشاعت میں پیش نظر نہیں ہے۔ چنانچہ ۴۰ صفحات کے اس رسالے کی انتہائی کم (فی شمارہ صرف دس روپے اور سالانہ خریداری ۱۰۰ اروپے) ہے۔ ہمارے پیش نظر نفع بخش کاروبار نہیں بلکہ ہم اپنے وسائل میں رہتے ہوئے رضوان کے ذریعے بیش بہا مضامین شائع کرتے ہیں۔ اس ضمن میں رضوان کے سالانہ خریدار بھی اہم کردار ادا کرسکتے ہیں۔ اگر تمام سالانہ خریدار اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے بروقت اپنی سالانہ رقوم "ادارہ رضوان" کو بھیج دیں تو وہ بھی ہماری ان تبلیغی کوششوں میں معاون ہوں گے۔

سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ مدت خریداری ختم ہونے پر زر سالانہ کی ترسیل میں جلدی فرمائیں۔ ہر ماہ سرخ نشان کے ذریعہ ان کو اطلاع دی جاتی ہے۔ تاکہ یاددہانی ہوسکے۔

یاد رکھئے! زر سالانہ کی بروقت عدم وصولی سے ادارے پر مالی بوجھ بڑھتا ہے اور پچھلے کچھ عرصے سے اس میں اضافہ ہی ہوا ہے لہٰذا سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ رضوان کی مدت خریداری ختم ہوتے ہی زر سالانہ کی ادائیگی کریں تاکہ ادارے پر مالی بوجھ نہ پڑے بصورت دیگر اگر آئندہ "رضوان" خریدنا نہیں چاہتے، تب بھی خط لکھ کر اس بارے میں دفتر رضوان کو مطلع فرمادیں۔

آپ کا تعاون اس دینی سعی و کاوش میں ہمارے لئے نہایت اہم اور "رضوان" کے معیار میں اضافے کے ساتھ آپ کے لئے کار خیر کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

کچھ اہم و مفید مطبوعات

از: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	بچوں کی قصص الانبیاء حصہ سوم 15/-	اسلام کیا ہے؟ (اردو) 30/-
کاروان زندگی حصہ اول (نیا ایڈیشن) 100/-	بچوں کی قصص الانبیاء حصہ چہارم 12/-	اسلام کیا ہے؟ (ہندی) 35/-
کاروان زندگی حصہ دوم (نیا ایڈیشن) 90/-	ہمارے حضورؐ (اردو) 15/- ہمارے حضورؐ (ہندی) 20/-	دین وشریعت 70/-
کاروان زندگی حصہ سوم 80/-	موج تسنیم (اردو) زیر طبع	ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت 70/-
کاروان زندگی حصہ چہارم 90/-	مناجات ہاتف 10/-	قادیانی مسلمان نہیں 25/-
کاروان زندگی حصہ پنجم 80/-	دیار حبیب 5/-	آپ حج کیسے کریں؟ (نیا ایڈیشن) 40/-
کاروان زندگی حصہ ششم (نیا ایڈیشن) 90/-	از مخدومہ خیر النساء بہترؒ	آپ حج کیسے کریں؟ (ہندی) (نیا ایڈیشن) 45/-
کاروان زندگی حصہ ہفتم 80/-	حسن معاشرت (نیا ایڈیشن) 15/-	درس قرآن 200/-
مطالعہ قرآن کے اصول ومبادی (نیا ایڈیشن) 40/-	کلید باب رحمت 6/-	دیگر مصنفین کرام کی تصانیف
حج کے چند مشاہدات 6/-	ذائقہ (نیا ایڈیشن) 15/-	تذکرہ حضرت سید احمد شہیدؒ 45/-
خواتین اور دین کی خدمت 25/-	ذکر خیر " 15/-	مکتوبات مفکر اسلامؒ (اول) 80/-
کاروان ایمان وعزیمت (نیا ایڈیشن) 35/-	از: حضرت مولانا محمد ثانی حسنیؒ	مکتوبات مفکر اسلامؒ (دوم) 120/-
دعائیں 10/-	لبیک اللہم لبیک 30/-	(مولانا سید محمد حمزہ حسنی صاحب)
سوانح مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ (نیا ایڈیشن) 90/-	سوانح حضرت مولانا خلیل سہارنپوریؒ 50/-	تذکرہ حضرت سید شاہ علم اللہ 35/-
سوانح حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا	سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ 150/-	سیرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ 30/-
کاندھلویؒ (نیا ایڈیشن) 90/-	زبان کی نیکیاں 15/-	(مولانا محمد الحسنیؒ)
نبی رحمتؐ (نیا ایڈیشن) 200/-	گلدستہ حمد وسلام 6/-	بشریت انبیاء (نیا ایڈیشن) 40/-
سیرت سید احمد شہیدؒ (دو جلدیں) 200/-	کلام ثانیؒ زیر طبع	ذکر رسولؐ " 55/-
تاریخ دعوت وعزیمت (پانچ جلدیں) 355/-	از: مولانا محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ	مولانا محمد علی جوہر " 175/-
انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر 70/-	دو مہینے امریکا میں 90/-	(مولانا عبدالماجد دریابادیؒ)
اپنے گھر سے بیت اللہ تک 25/-	جزیرۃ العرب 70/-	کتاب النحو (حافظ عبدالرحمن امرتسریؒ) 18/-
از: محترمہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ	حج ومقامات حج 35/-	کتاب الصرف " 20/-
زاد سفر (دو جلدیں) (نیا ایڈیشن) 150/-	امت مسلمہ 70/-	بریلوی فتنہ کا نیا روپ (مولانا عارف سنبھلی) 40/-
باب کرم (نیا ایڈیشن) 12/-	سماج کی تعلیم وتربیت 45/-	تاریخ میلاد (حکیم الشکور) 30/-
بچوں کی قصص الانبیاء حصہ اول 15/-	از: حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ	مقالات سیرت (ڈاکٹر قدوائی) 30/-
بچوں کی قصص الانبیاء حصہ دوم 14/-	معارف الحدیث (مکمل آٹھ جلدیں) 870/-	سیرت صدیقؓ (حبیب الرحمن شیروانی) 25/-

مکتبہ اسلام ۵۴/۲/۱۷۲، محمد علی لین گوئن روڈ، لکھنؤ-۱۸

فون نمبر دفتر: 2270406
فون نمبر رہائش: 2229174

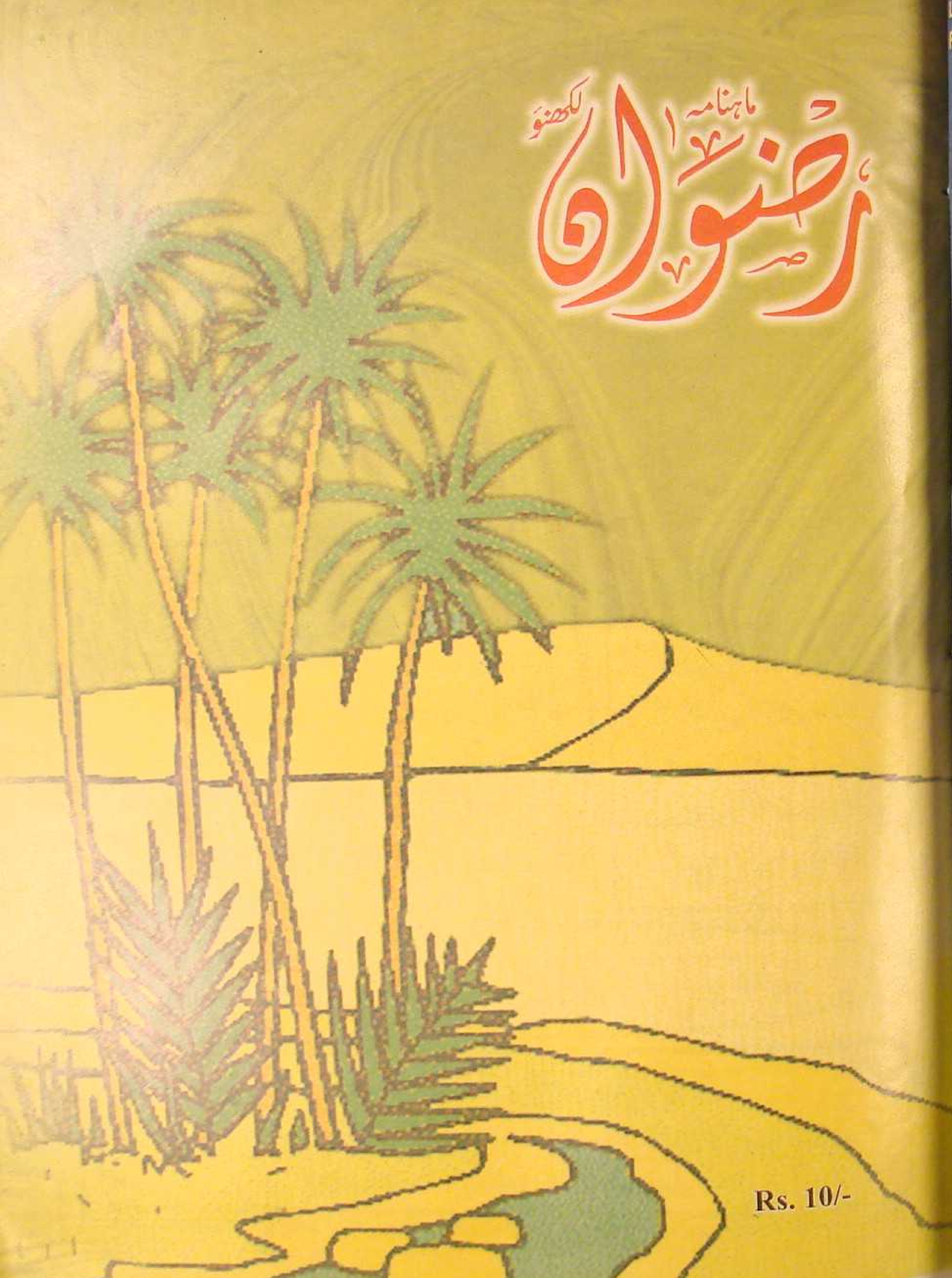
ماہنامہ
رضوان
لکھنؤ
Rs. 10/-

R. N. 2416/57
RIZWAN
172/54 Mohammad Ali Lane Gwynne Road Lucknow-226018
نشکر
شوگر کی کامیاب ترین دوا
• قدرتی جڑی بوٹیوں سے تیار شدہ دوا۔
• پیشاب سے شکر کو ختم کر کے خون میں شکر کو کنٹرول رکھتی ہے۔
Nashkur
Batina
HASANI PHARMACY
بطینا
قبض اور گیس کی کامیاب دوا
• قبض، گیس، بھوک نہ لگنا۔
• جلن، گرانی اور دیگر خرابیوں کیلئے
• بیحد مفید چورن۔
استعمال کریں، آرام پائیں۔
LEUKODIN
لیکوڈین
لیکوریا و جریان میں بیحد مؤثر
لیکوریا میں بے حد مفید، رحم کی فاسد رطوبت کو خشک کر کے طاقت دیتا ہے۔
قوت باہ میں اضافہ کرتا ہے سرعت انزال اور کثرت احتلام و جریان میں بے حد مؤثر و مفید ہے
ہردینا
گردہ و مثانہ کی پتھری کا سیرپ
• گردہ، مثانہ کی پتھری، درد
• پیشاب میں ریت، خون اور
• جلن کے لئے
یکساں مفید ہے۔
KABIDOON
کبدون
جگر اور پتہ کی خرابیوں کو دور کرنے والا بے نظیر سیرپ
• پیلیا، جگر اور
• پتہ کے ورم،
• کمزوری، درد اور
• پتھری کا بے نظیر سیرپ
روزامین
فساد خون اور جلدی امراض کا سیرپ
کف زال
ہر قسم کی کھانسی نزلہ زکام میں بیحد مفید
ہر قسم کی کھانسی، نزلہ، زکام، گلے کی خراش اور نزلے سے سر درد و بدن درد میں مفید ہے
Sabaca
صبا کا آملہ
بالوں کا بہترین محافظ
دماغ کو چست بناتا ہے،
بالوں کی جڑوں کو مضبوط کر کے
بالوں کو کالا اور گھنا بناتا ہے
صبا کا ہیئر آئیل
دماغ اور بالوں کا انمول ہیئر ٹانک
BURNISOL
INDAMOOL
برنیسال
برنیسال کے تین اہم فوائد
۱. سوزش اور جلن میں فوراً ٹھنڈک پہنچائے۔
۲. زخم کو جلدی ٹھیک کرے، نشان نہ پڑنے دے۔
۳. ہر طرح کے مضر اثرات سے پاک ہے۔
انڈامول
گہرے زخم پھوڑوں کا لاجواب مرہم
HASANI PHARMACY
177/41 GWYNNE ROAD, LUCKNOW-226 018
PH. (O) 202677, (R) 229174, M : 98380 23223
DESIGNED BY HAMID. Mob: 9415769282 PRINTED AT: KAKORI OFFSET PRESS, LUCKNOW.

بیادگار حضرت مولانا محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

خواتین کا ترجمان

ماہنامہ

رضوان

لکھنؤ

شمارہ ۸	اگست ۲۰۰۸ء	جلد ۵۲

ایڈیٹر

محمد حمزہ حسنی

معاونین

• میمونہ حسنی • عائشہ حسنی

• جعفر مسعود حسنی • محمود حسن حسنی

سالانہ چندہ

برائے ہندوستان : ۱۰۰؍روپے

غیر ملکی ہوائی ڈاک : ۲۵؍امریکی ڈالر

فی شمارہ : ۱۰؍روپے

ڈرافٹ پر RIZWAN MONTHLY لکھیں

ماہنامہ رضوان ۵۴/۲/۱۷۲، محمد علی لین، گوئن روڈ، لکھنؤ۔ ۲۲۶۰۱۸

Phone : 91 - 0522 - 2620406

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد حمزہ حسنی نے مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن کیلئے نظامی آفسیٹ پریس میں چھپوا کر دفتر رضوان محمد علی لین سے شائع کیا

کمپوزنگ : ناشر کمپیوٹر لکھنؤ۔ فون : 9336932231 - 0522

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی مقبول و معروف کتابیں

سوانح حیات .... کاروانِ زندگی

ایک معلم، مصنف، مؤرخ، داعی اور رہنما کی سرگذشت حیات

جس میں ذاتی زندگی کے مشاہدات و تجربات، احساسات و تاثرات اور ہندوستان اور عالم اسلام کے واقعات و حوادث اور تحریکات و شخصیات کے مطالعہ کا ماحصل اس طرح گھل مل گیا ہے کہ وہ ایک دلچسپ و سبق آموز آپ بیتی اور ایک مؤرخانہ و حقیقت پسند جگ بیتی بن گئی ہے اور چودہویں صدی ہجری، بیسویں صدی عیسوی کی تاریخ و سرگذشت کا ایک اہم باب محفوظ ہوگیا ہے۔

• ایک تاریخی دستاویز • ادبی مرقع • دعوت فکر و عمل

فوٹو آفسیٹ کی بہترین کتابت و طباعت سے آراستہ

قیمت حصہ اول	(اردو ایڈیشن)	100/-
قیمت حصہ دوم	(اردو ایڈیشن)	90/-
قیمت حصہ سوم	(اردو ایڈیشن)	80/-
قیمت حصہ چہارم	(اردو ایڈیشن)	90/-
قیمت حصہ پنجم	(اردو ایڈیشن)	80/-
قیمت حصہ ششم	(اردو ایڈیشن)	90/-
قیمت حصہ ہفتم	(اردو ایڈیشن)	80/-
قیمت مکمل سیٹ	(کاروان زندگی)	610/-

کاروان ایمان و عزیمت

قافلہ مجاہدین یعنی حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک اصلاح و جہاد سے تعلق رکھنے والے اصحاب علم و فضل و عزیمت کا تذکرہ جس سے مسلمانوں کی تاریخ دعوت و عزیمت کا ایک روشن باب سامنے نظر آتا ہے۔

خوبصورت کتابت و طباعت

قیمت 35/-

حج کے چند مشاہدات

اس کتاب میں مولاناؒ نے حج کے بارے میں جس طرح اپنے تاثرات و مشاہدات کا اظہار کیا ہے وہ اپنے انداز کا مؤثر اظہار ہے۔

قیمت 6/-

خواتین اور دین کی خدمت

خواتین کی کیا ذمہ داریاں ہیں، ان کے دینی و سماجی فرائض کیا ہیں، وہ کس طرح دین کی خدمت کرسکتی ہیں، آخر میں مولاناؒ کی والدہ ماجدہ کے وہ تربیتی خطوط ہیں جو انھوںؒ نے مولاناؒ کے نام ان کی تعلیم کے دوران لکھے تھے۔

قیمت 25/-

ذکر خیر

حضرت مولانا کی والدہ ماجدہؒ کے حالات زندگی، خود حضرت مولاناؒ کے قلم سے۔ قیمت 15/-

سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ

عہد حاضر کی مشہور دینی شخصیت اور عارف باللہ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کے حالات زندگی، ان کی شخصیت، ان کی نمایاں صفات، انداز تربیت، توازن و جامعیت، تعلق مع اللہ، خلوص و محبت، فیض و تاثرات اور معرفت و سلوک کا ایمان افروز تذکرہ۔ قیمت مجلد 90/-

فہرست مضامین

● اپنی بہنوں سے ...... مدیر ۳
● حدیث کی روشنی میں ...... امۃ اللہ تسنیم ۴
● مقام رسول صلی اللہ علیہ وسلم ...... ڈاکٹر محمد ذکی ۶
● حالات کیسے تبدیل ہوں گے ...... حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ۱۱
● رازِ دار نبوت ...... محترم شیر محمد ایاز ۱۷
● ناموں کی اہمیت اور اس کے اثرات ...... محمد قمر الزماں ندوی ۲۰
● اصلاح نفس پر توجہ دیجئے ...... مولانا اشہد رشیدی ۲۲
● ایک باندی کی پکار پر معتصم کی یلغار ۲۴
● دلچسپ اور سبق آموز واقعات ۲۶
● سوال وجواب ...... مفتی راشد حسین ندوی ۳۰
● سنجے کمار پانڈے سے صالح کریم تک ...... ڈاکٹر خلیل الدین شجاع الدین مکہ مکرمہ ۳۱
● حمد باری تعالیٰ ...... وجیہ الدین جامی صدیقی ۳۸
● وضو جلدی امراض کا محافظ ۳۹-۴۰

اپنی بہنوں سے

مدیر

اگر کسی محلہ میں کوئی ایسا شخص ہو جو خود اپنے گھر میں آگ لگادے اور پھر اپنے گھر کو جلتا دیکھ کر خوش ہو یا اپنے ہاتھوں سے اپنے گھر کے درودیوار گرادے اور اس موقع پر لوگوں کو اکٹھا کرے اور ان کو یہ تماشا دکھائے تو محلہ کے دوسرے لوگ ایسے شخص کو کیا کہیں گے، سب ہی یہ سمجھیں گے کہ ایسا شخص جو اس طرح کی حرکت کرے اس کے دماغ میں کچھ فتور ہے اور اس کی عقل صحیح وسالم نہیں ورنہ اپنے ہاتھوں سے اپنے گھر کو نہ جلاتا اور اس کے درودیوار کو نہ گراتا۔

لیکن آج ہمارے سماج میں اس طرح کے بے شمار واقعات پیش آرہے ہیں اور صرف یہ نہیں کہ گھر جلتا ہو بلکہ گھروں کی تباہی کے ساتھ عزت وشرافت کو بٹہ لگتا ہے۔ دولت وثروت کا خاتمہ ہوتا ہے۔

آپ کے دل میں یہ سوال پیدا ہو رہا ہوگا کہ آخر وہ کون سا ناسور ہے جو جسم کو گھلا دیتا ہے اور وہ واقعات کیا ہیں جو گھرانوں کے گھرانوں کو تباہی کے غار میں ڈھکیل دیتے ہیں۔

ہم نے اسلام کے دامن کو چھوڑ کر اور اس کے سایہ عاطفت سے نکل کر رسوم ورواج میں پھنس کر اپنے عقل وضمیر کو بھی خیرباد کہہ دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ساری زندگی رسوم ورواج، نمائش، نام ونمود اور ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش میں الجھ کر رہ گئی۔

آج ہمارے گھرانوں میں شادی کس طرح ہوتی ہے اس کے لئے کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ مہر، جہیز کے لئے کیا کیا کرنا ہوتا ہے ہزاروں رسموں سے گزرنا ہوتا ہے شادی جو ایک مسرور کن چیز ہوتی ہے لیکن نتیجہ کیا ہوتا ہے۔

۱- کتنے ایسے ملیں گے جو شادی پر لاکھوں روپے خرچ کرتے ہیں جب اتنی حیثیت نہیں ہوتی مگر قرض لے کر فضول رسموں پر پانی کی طرح دولت خرچ کرتے ہیں۔

۲- کتنے ایسے ہوتے ہیں جو اپنے مکانوں تک کو رہن رکھ کر اس قرض سے سبکدوش ہوتے ہیں اور پھر اپنے مکانوں کو واپس نہیں لے پاتے۔

۳- کتنے ایسے ہیں جو سودی روپیہ قرض لے کر شادی دھوم دھام سے کرتے ہیں۔

۴- کتنے ایسے ہیں جو روپیہ اکٹھا نہ کر سکنے کی وجہ سے اپنی جوان لڑکیوں کی شادی نہیں کرپاتے اور لڑکیاں گھر میں بیٹھی رہ جاتی ہیں۔

آپ خود خیال کیجئے کیا لوگوں کو دکھانے اور نام ونمود کی خاطر اپنے کو تباہ کر لینا عقل مندی کا کام ہے۔ کہ دنیا کی تباہی کے ساتھ آخرت کو تباہ کرلینا سمجھ بوجھ کی بات ہے۔

ہمارا فریضہ ہے کہ ایسی تباہ کن شادیوں کے خلاف تحریک چلائیں ان لوگوں کے خلاف آواز اٹھائیں جو ان رسموں کے ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے اپنی لڑکیوں کی شادی نہیں کرتے۔ آیئے ہم سب مل کر شادیوں کو اتنی آسان بنائیں کہ امیر وغریب بغیر کسی بوجھ کے شادی کرسکے۔

اخلاص اور نیت

امۃ اللہ تسنیم

اعمال کا دارمدار نیتوں پر ہے

حضرت عمرؓ بن الخطاب سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ تمام عمل کا دارومدار نیتوں پر ہے ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق ملے گا۔ جو اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہجرت کرے گا تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہوگی، اور جو دنیا کے حصول کے لئے کرے گا یا کسی عورت سے نکاح کے لئے کرے گا تو اس کی ہجرت اسی کے لئے ہوگی جس کے لئے ترک وطن کیا ہے۔(بخاری۔مسلم)

حشر اپنی اپنی نیتوں پر ہوگا

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک لشکر کعبہ پر حملہ کرے گا جب میدان میں آجائے گا تو ان کے اگلے پچھلے لوگ دھنسا دیئے جائیں گے میں نے کہا یارسول اللہ ان کے اگلے پچھلے لوگ کیسے دھنسا دیئے جائیں گے حالانکہ ان میں بازار کے لوگ بھی ہوں گے اور وہ لوگ بھی ہوں گے جو حملہ کرنے والوں کے شریک نہیں۔ آپ نے فرمایا سب دھنسا دیئے جائیں گے لیکن اپنی اپنی نیتوں کے مطابق اٹھائے جائیں گے۔ (بخاری۔مسلم)

نیت اور جہاد قیامت تک باقی رہیں گے

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فتح مکہ کے بعد (مکہ سے) ہجرت نہیں ہے (اس لئے کہ وہ دارالاسلام ہوگیا ہے) مگر نیت اور جہاد باقی رہیں گے، جب تم کو جہاد کے لئے اٹھایا جائے تو چل کھڑے ہو۔

نیت کی بناء پر عمل میں شرکت

حضرت جابرؓ بن عبداللہ انصاری سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی لڑائی میں تھے۔ آپ نے فرمایا کہ کچھ لوگ مدینہ میں رہ گئے ہیں وہ تمہارے ساتھ نہیں آئے لیکن اجر میں وہ تمہارے شریک ہیں ان کو مرض نے روک لیا۔ (بخاری۔مسلم)

معذور مجاہدین کے ساتھ شریک ہے

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک سے پلٹ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ کچھ لوگ پیچھے رہ گئے نہ تمہارے ساتھ چلے اور نہ انہوں نے اس سفر کی کوئی گھاٹی طے کی مگر وہ تمہارے ساتھ شریک ہیں، مرض نے ان کو مجبور کردیا۔

بیٹے کو مل جانے سے باپ کی خیرات کا ثواب نہیں جاتا

حضرت ابویزیدؓ معن بن یزید سے روایت ہے کہ میرے باپ نے صدقے کے لئے دینار نکالے اور مسجد میں ایک شخص کے پاس رکھ دیئے۔ میں مسجد میں آیا اور میں نے ان کو لیا اور لے کر گھر پلٹا۔ میرے باپ نے کہا قسم خدا کی میں نے تجھے دینے کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ پھر ہم دونوں آپس میں بحث کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ نے فرمایا اے یزید تمہاری نیت کا تمہیں اجر ملے گا اور اے معن جو تم نے لیا وہ تمہارا ہو چکا۔ (بخاری)

اللہ کو خوشی کیلئے بیوی کو کھلانا بھی ثواب وعبادت ہے

حضرت سعدؓ ابی وقاص سے روایت ہے کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لئے حجۃ الوداع کے

سال تشریف لائے اور میں سخت بیمار تھا۔ میں نے کہا یارسول اللہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ میری بیماری کس حد تک پہنچ گئی ہے۔ میں بہت مالدار ہوں اور میرے ایک ہی بیٹی ہے۔ کیا میں اپنے مال کا دو تہائی صدقہ کرسکتا ہوں، فرمایا نہیں۔ میں نے کہا یا رسول اللہ نصف، فرمایا نہیں۔ میں نے کہا ایک تہائی یا رسول اللہ، فرمایا ہاں۔ تہائی بھی بہت ہے۔ تمہارا اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑنا ان کو محتاج چھوڑنے سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں اور دیکھو تم اللہ کی خوشی کے لئے جو کچھ خرچ کرو گے اللہ کی رضا چاہتے ہوئے تو اس کا اجر تم کو ملے گا۔ یہاں تک کہ جو لقمہ اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو کے اس کا بھی ثواب ملے گا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ کیا میں اپنے ساتھیوں کے بعد تک رہوں گا۔ فرمایا تم اپنی بقیہ عمر میں جو عمل اللہ کی رضا کے لئے کرو گے اس کے سبب تمہارے درجے اور بلندی میں ترقی ہوگی بہت ممکن ہے کہ تم زندہ رہو، بعض کو تم سے نفع پہنچے بعض کو نقصان۔ پھر آپ نے فرمایا اے اللہ میرے ساتھیوں کے لئے ان کی ہجرت آخر تک گذار دے، ان کو الٹے پاؤں نہ پلٹا۔ لیکن بیچارے قابل رحم تو سعدؓ ابن خولہ ہیں۔ ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترس کھاتے تھے۔ اس لئے کہ انہوں نے مکہ میں وفات پائی۔ (بخاری۔مسلم)

اللہ دلوں کو دیکھتا ہے

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نہ تمہارے جسموں کو دیکھتا ہے نہ تمہاری صورتوں کو دیکھتا ہے۔ اس کی نظر تمہارے دلوں پر رہتی ہے۔

جہاد کی نیت

حضرت ابوموسیٰؓ الاشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے آدمی کے متعلق پوچھا گیا، جو بہادری کے لئے جہاد کرے یا حمیت کے لئے یا دکھاوے کے لئے۔ اس میں اللہ کے راستے میں کونسا ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ کا بول بالا کرنے کے لئے لڑنا ہی صرف اللہ کے راستے میں شمار ہوگا۔ (بخاری۔مسلم)

مسلمان قاتل و مقتول

حضرت ابوبکرؓ نفیع بن الحارث الثقفی سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ مقابل ہوں تو قاتل و مقتول دونوں دوزخ میں جائیں گے۔ میں نے کہا یارسول اللہ قاتل کا معاملہ تو سمجھ میں آگیا لیکن مقتول کے بارے میں حیرت ہے۔ آپ نے فرمایا وہ اپنے ساتھی کے قتل پر حریص تھا۔

جماعت کا ثواب کیوں زیادہ ہے

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھر پر اور دوکان پر نماز پڑھنے سے جماعت سے نماز پڑھنے کا ثواب کچھ اوپر بیس گنا زیادہ ملتا ہے۔ جو شخص اچھی طرح وضو کرے پھر مسجد میں آئے اور نماز ہی کا ارادہ کرکے گھر سے نکلا ہو تو ہر قدم پر اس کا درجہ بلند کیا جائے گا۔ اور اس کی خطائیں دور کی جائیں گی۔ یہاں تک کہ مسجد میں داخل ہوگا تو نماز میں شمار ہوگا۔ اور جب تک وہ مسجد میں نماز کی نیت سے رکا رہتا ہے فرشتے اس کے حق میں دعا کرتے رہتے ہیں۔ کہتے ہیں اے اللہ اس پر رحم کر اور اس کو بخش دے اور اس کی توبہ قبول کر، جب تک باوضو رہے۔ (بخاری۔مسلم)

نیک کام کی نیت ہی سے ثواب مل جاتا ہے

حضرت عبداللہؓ بن عباس سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اور آنحضرتؐ اپنے رب تبارک وتعالیٰ سے روایت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نیکیاں اور برائیاں لکھیں پھر ان کو ظاہر کردیا کہ جس شخص نے کسی نیکی کا ارادہ کیا اور اس کو نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ایک نیکی لکھی اور جس نے نیکی کا ارادہ بھی کیا اور اس کو نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ایک نیکی لکھی اور جس نے نیکی کا ارادہ بھی کیا اور اس کو کر گذرا تو اللہ تعالیٰ نے دس نیکیاں لکھیں۔ سات سو گنا تک یا اس سے زیادہ اور جس نے کسی برائی کا ارادہ کیا پھر اس کو نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ایک پوری نیکی لکھی اور اگر وہ برائی عمل میں آگئی تو ایک ہی بدی لکھی۔

مقام رسول صلی اللہ علیہ وسلم

ڈاکٹر محمد ذکی

دنیا میں آج تک کسی بھی انسان کی سیرت پر اتنا تحقیقی کام نہیں ہوا ہے۔ جتنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر ہو چکا ہے۔ آپ کے سیرت نگاروں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے جاں نثار، عقیدت مند بھی شامل ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے منکر، سخت نکتہ چین اور انتہائی دشمن بھی اور ان میں سے ہر ایک اپنے مخصوص نقطہ نظر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے کسی نہ کسی پہلو کو اُجاگر کرنے میں دوسرے سے بازی لے جانا چاہتا ہے۔ یہ گہرا لگاؤ اور عام دلچسپی صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات سے مخصوص ہے ورنہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی ایسی بہت سی شخصیات گزر چکی ہیں جنہوں نے بڑے شاندار کارنامے انجام دیے ہیں اور انسانی قلوب پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ ان میں سے کسی بھی رہ نما کی زندگی کے مختلف گوشوں پر اتنی بحث نہیں کی گی جتنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں کی گئی ہے۔

اس کی بہت سی وجوہ ہو سکتی ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان ہستیوں کے صحیح اور تفصیلی حالات معلوم نہیں اور جتنا کچھ بھی معلوم اور مشہور ہے اس میں بھی غیر مستند روایات اتنی زیادہ ہیں کہ ان کی شخصیات کے صحیح خد و خال مستور ہو کر رہ گئے ہیں۔ اب ظاہر ہے ظن و تخمین اور فرضی داستانوں کی بنیاد پر ان کی سیرت کی تشکیل ہو سکتی ہے نہ وسیع پیمانہ پر تحقیقی کام ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر بائبل ہی کو لے لیجئے، جو اس نوع کی قدیم ترین دستاویز سمجھی جاتی ہے۔ اس میں انسان اول (حضرت آدم علیہ السلام) سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک مختصر انسانی تاریخ بیان کی گئی ہے، بنی اسرائیل کے تفصیلی حالات اور ان کے رہ نماؤں کے سوانحی خاکے ہیں۔ چودھویں، پندرھویں صدی عیسوی تک عام اہل کتاب (یہودی پرانے عہد نامہ کو اور عیسائی نئے اور پرانے عہد نامہ کو یعنی) بائبل کو ایک الہامی اور مستند کتاب مانتے رہے لیکن دور جدید میں جب یورپ میں علمی سرگرمیوں کا آغاز ہوا اور اہل علم کا تنقیدی شعور بیدار ہوا تو انہوں نے بائبل کا بھی تحقیقی مطالعہ کیا لیکن ان کے انکشافات نے یورپ کے مذہبی حلقوں میں ایک طوفان برپا کر دیا۔ کیونکہ یہ سارے محققین اس نتیجہ پر پہنچے کہ بائبل الہامی کتاب نہیں ہے، اس کے مصنفین انسان ہی تھے لیکن ان سب کے نہ تو نام معلوم ہیں نہ اس کے مختلف صحائف کا زمانہ تصنیف متعین کیا جا سکتا ہے۔ اس کا متن جو قدیم عبرانی زبان میں تھا اور تحریری شکل میں ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتا رہا۔ لیکن نقل و روایت میں صحت کا التزام نہیں ہوا۔ مختلف مراحل پر مختلف وجوہ کی بنا پر راویوں اور کاتبوں نے تغیر و تبدل بھی کیا اور لفظی اور معنوی تحریف بھی کی ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ قدیم عبرانی نسخے اب ناپید ہیں، زیادہ سے زیادہ پرانا عبرانی نسخہ جو دستیاب ہو سکا ہے، وہ نویں صدی عیسوی کا ہے۔ یعنی ظہور اسلام کے بھی کئی سو سال بعد کا۔ اس کے بیشتر نسخے یونانی تراجم کی شکل میں ملتے ہیں لیکن ان کے بارے میں بھی مغربی محققین کی رائے یہ ہے کہ ترجمے لاپروائی کے ساتھ ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ اس میں اختلافات، متضاد بیانات اور خرافات بھی ہیں اس لئے اس میں جو کچھ بھی کہا گیا ہے اسے بہت احتیاط کے ساتھ قبول کرنا چاہئے۔ (یہ رائے ان تمام مغربی محققین کی ہے جنہوں نے بائبل کا تنقیدی مطالعہ کیا ہے۔ مثال کے لئے ملاحظہ ہو۔ (The Story of Bible, Library

Edition? Vol. 1, PP. 7 - 14 - 2 - The International Critical Comentory Ed by 1 Skinnev)

آج بھی مغربی دانش وروں کا یہی مسلک ہے، البتہ وہ یہودی اور عیسائی جو تنقیدی مطالعہ کو جرم سمجھتے ہیں اور علمی ترقیات میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے اب بھی بائبل کو الہامی اور غلطیوں سے پاک کتاب سمجھتے ہیں۔ اسی پر ان کتابوں کو بھی قیام کر لیجئے جن میں مختلف قوموں کے رہ نماؤں کی داستانیں بیان کی گئی ہیں۔ ان کے بارے میں عوام کا عقیدہ خواہ کچھ بھی ہو علمی حلقوں میں سب ہی تسلیم کرتے ہیں کہ ان میں حقائق کم اور اساطیر زیادہ ہیں اور ان میں سے بیشتر کتابوں کے مصنفوں کے نام معلوم ہیں نہ زمانہ تصنیف۔ پھر ان کتابوں کی بنیاد پر بھلا ماضی کی مشہور اور تاریخ ساز ہستیوں کے بارے میں علمی اور تحقیقی نقطہ نظر سے کیا کام ہو سکتا ہے؟

لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ اول تو آپ صلی اللہ علیہ سولم کا ظہور ہی تاریخ کی پوری روشنی میں ہوا ہے۔ دوسرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے لئے جتنے مستند مآخذ ممکن ہیں وہ سب موجود ہیں۔

سب سے زیادہ قابل اعتبار اور مستند ذریعہ معلومات جو کسی شخصیت کے سمجھنے اور اس کے کارناموں کا جائزہ لینے کے لئے ضروری سمجھا جاتا ہے، وہ خود اس کا کلام یا تصنیف ہے، کیونکہ انسان کا اپنا کلام نہ صرف یہ کہ اس کی شخصیت کی خود نوشت سوانح حیات (Auto Biography) دستیاب ہو جاتی ہے تو اسے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ورنہ اس کے اقوال اور متفرق بیانات کی تلاش کی جاتی ہے اور پھر ان کی روشنی میں اس کی سیرت مرتب کی جاتی ہے۔

دوسرے درجہ پر معاصرین کی شہادتوں اور بیانات کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اگر کسی معروف شخصیت کے بارے میں کسی ہم عصر نے کچھ لکھا ہے یا اس کے ہم عصروں کی شہادتیں مل جاتی ہیں تو ان کو بہت اہمیت دی جاتی ہے ان لوگوں کی تحریروں اور بیانات کے مقابلہ میں، جو کچھ زمانہ کے بعد قلم بند ہوئے ہیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے لئے اولین ماخذ قرآن حکیم ہے۔ اس کے بارے میں اہل اسلام کا عقیدہ تو یہ ہے کہ یہ اللہ رب العالمین کا کلام ہے، جو اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے۔ اس لئے اس میں حقیقت ہی حقیقت ہے، اس کے سوا کچھ اور نہیں۔ اس میں ماضی کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ حق ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصرین اور عہد کے بارے میں جو تفصیلات بیان کی گئی ہیں وہ سب ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہیں۔

البتہ غیر مسلموں کا نظریہ ذرا مختلف ہے۔ ان کے نزدیک قرآن خدا کا کلام نہیں ہے، بلکہ خود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف ہے۔ (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام دوسرے لوگوں نے سن کر لکھا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے) اس اعتبار سے اس کا حکم وہی ہے جو ایک خود نوشت سوانح عمری کا ہوتا ہے۔ اس کی بہت سے باتیں بالکل صحیح اور یقیناً قابل تسلیم ہیں لیکن دیگر باتیں، بالخصوص رسالت سے متعلق، نا قابل تسلیم ہیں۔

اس بنیادی اختلاف سے قطع نظر مسلمانوں اور غیر مسلموں، سب کا اس پر اتفاق ہے کہ موجودہ قرآن حرف بحرف وہی ہے جو آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا ہوا تھا اور اس پوری مدت میں اس کے اندر ایک لفظ کی بھی کمی بیشی نہیں ہوئی ہے۔ (مثال کے لئے دیکھئے ولیم میور، سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، مقدمہ ص ۲۶، رچرڈ بیل (Richard Bell) مقدمہ قرآن ص: ۴۴)

اس لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے لئے قرآن نہایت مستند ذریعہ معلومات ہے۔ مضامین اور بیان

کردہ بعض واقعات کو اگرچہ غیر مسلم مفکرین تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن یہ سب ہی مانتے ہیں کہ قرآن تحریف سے بالاتر کتاب ہے، جب کہ ماضی کے دوسرے رہنماؤں کے اپنے بیانات صحت کے ساتھ نقل ہو کر ہم تک نہیں پہنچے ہیں۔

دوسرا اہم ماخذ احادیث کا مجموعہ ہے۔ اس میں بالاتفاق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا کلام ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات، قرآنی آیات کی تشریحات، نصیحتیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے گئے سوالات کے جوابات، حالات پر تبصرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز زندگی، شب و روز کے مشاغل، لوگوں کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آرائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصرین کے تبصرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان کے تاثرات سب ہی شامل ہیں۔

ان تفصیلات کے نقل کرنے والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیضیاب تھے اور جن کے بارے میں عام رائے یہی ہے کہ انہوں نے اپنی دانست میں ہر بات نہایت سچائی اور ایمان داری کے ساتھ نقل کی ہے۔ اس میں مبالغہ ہے نہ غلط بیانی۔ اس لئے جو کچھ صحابہؓ نے نقل کیا ہے اس پر اعتبار نہ کرنے کی کوئی معقول وجہ موجود نہیں۔

پھر ان اصحاب سے اس جماعت نے یہ تفصیلات سن کر نقل کی ہیں۔ جو تابعین کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ لوگ صحابہؓ کے تربیت یافتہ اور ایمانداری، حافظہ کی پختگی اور تقویٰ میں مشہور تھے۔ اسی طرح دوسری نسل جو ان کے بعد آئی تبع تابعین سے معروف اور نیکی اور ایمان داری میں مشہور تھے۔ روایت کا یہی سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ ائمہ حدیث نے اس علمی سرمایہ کو قلم بند کر دیا اور پھر سب طرف شائع ہو گیا۔

اس مجموعہ کی چند قابل ذکر خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

۱- اس میں جہاں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا کلام ہے وہاں معاصرین کے بیانات بھی ہیں۔ انہوں نے بہ چشم خود جو کچھ دیکھا، سنا اور محسوس کیا وہ بھی نقل ہو گیا ہے، علمی اور تاریخی اعتبار سے معاصرین کی یہ شہادتیں بہت اہمیت رکھتی ہیں، بالخصوص جب کہ دوسری اہم شخصیات کے معاصرین کے بیانات سرے سے ملتے ہی نہیں اور اگر کچھ نقل بھی ہوا ہے تو صحت کے ساتھ نہیں۔

۲- ان معاصرین کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔ ان میں ہر قسم کے لوگ شامل ہیں۔ عرب بھی اور عجم بھی، امیر بھی، غریب بھی، عام افراد بھی اور قبائل واقوام کے سردار بھی۔ وہ لوگ بھی جن کے سامنے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تھی اور وفات بھی ہوئی۔ وہ بھی جو بچپن کے ساتھی تھے، وہ بھی جنہوں نے آپ کا عہد شباب دیکھا تھا۔ آپ کے قریبی عزیز دوست، احباب، پڑوسی اور ہم وطن، تجارت وکاروبار میں شریک رہنے والے، وہ بھی جنہوں نے دور سے دیکھا تھا، وہ بھی جنہوں نے قریب سے مشاہدہ کیا تھا۔ ایسے بھی جو لحہ درلحہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور وہ بھی جو مدتوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے پر گردن اتروا دینے کے لئے تیار رہنے والے بھی تھے اور وہ بھی جو کبھی شدید مخالف اور کٹر دشمن رہے تھے اور ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نجی زندگی کو نہایت قریب سے دیکھنے والی جماعت بھی ہے۔ یعنی ازواج مطہرات۔

۳- یہ تمام صحابہ اور صحابیات آپ کی زندگی کے مختلف گوشوں اور پہلوؤں کے بارے میں ساری تفصیلات محفوظ کر کے نہایت اہتمام اور احتیاط کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔ سب عینی شاہد ہیں گھر سے باہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی لحہ (بالخصوص اعلان رسالت کے بعد) ایسا نہیں گزرا جب کہ کوئی نہ کوئی صحابی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ ہو۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر کے اندر بھی کوئی لحہ ایسا نہیں گزرتا تھا جب کہ ازواج مطہرات میں سے کوئی یا قریبی عزیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاغل کو دلچسپی سے نہ دیکھ رہا ہو۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد مختلف فاصلوں پر اور مختلف زاویوں سے بے شمار کیمرے نصب تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر نقل وحرکت کو محفوظ کرتے چلے جا رہے تھے اور ایسے آلات لگے ہوئے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ہر لفظ کو ریکارڈ کر رہے تھے، اس میں نہ دن کی قید تھی، نہ رات، نہ گھر کی نہ باہر کی۔

اب آپ ساری دنیا کی تاریخ پڑھ جائیے، ایک ایک ورق چھان لیجئے اور دیکھئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی ہستی ایسی نظر آتی ہے جس کی زندگی کے تمام شعبوں کے ساتھ یہ اہتمام ہوا ہو؟ ناممکن، ناممکن۔

اگر مشینوں کے ذریعہ تصاویر اور آواز ریکارڈ کرنے اور پھر ان کو منتقل کرنے کے عمل میں کبھی کبھی نقص اور خامی کا امکان ہے تو اگر یہی کام انسانوں کے ذریعہ ہو تو کچھ نہ کچھ کمی رہ جانے کا قوی احتمال ہے۔ تمام احادیث پر نظر ڈالنے سے ہر شخص اسی نتیجہ پر مجبور ہے کہ اس میں نہایت مستند، مضبوط، شک وشبہ سے بالاتر احادیث بھی ہیں، کچھ کمزور وکم تر درجہ کی احادیث بھی ہیں اور موضوع بھی۔ اصل بھی ہیں اور نقل بھی۔ لیکن اصل کی طرف رجوع کر کے جعلی اور نقلی الگ کی جا سکتی ہیں اور کر بھی دی گئی ہیں اور آئندہ اس عمل پر پابندی بھی نہیں ہے۔

اس کے باوجود ایک بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے۔ وہ یہ کہ نقل وروایت کے جو بہتر سے بہتر طریقے اس آسمان کے نیچے ممکن تھے وہ سب ہی استعمال کر لئے گئے ہیں اور ان سے بہتر ممکن بھی نہیں۔ موضوع ذرا پیچیدہ اور وضاحت طلب ہے، لیکن اس علم کے ماہرین تفصیلات کو ذہن میں پھیلا لیں تو اسی نتیجہ پر پہنچے گے۔ یہاں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں۔

احادیث کے بعد سیرت اور تاریخ کی کتابوں کا نمبر آتا ہے۔ اسناد کا اہتمام گو یہاں اتنی شدت اور احتیاط کے ساتھ نہیں۔ اس لئے صحت کے اعتبار سے ان کا وہ درجہ نہیں جو کتب حدیث کا ہے۔ پھر بھی دنیا کی دوسری سیرت وتاریخی کتب سے کسی طرح کم بھی نہیں۔

بہر حال ان ماخذ نے اتنا علمی سرمایہ مہیا کر دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں کہ جس کے بارے میں معلومات نہ ہوں۔ اب ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ مختلف پہلوؤں کو سامنے رکھ کر آپ کی شخصیت کو سمجھنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام متعین کرنے میں مدد ملتی، لیکن ہوا یہ کہ کوئی بھی شناور اس بحر کی تہہ کو نہ پا سکا، جس کے ہاتھ میں جو موتی بھی آ گیا اسی کو اپنی کاوش کا ثمرہ سمجھ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر پہلو اپنی تاب تا کی کے ساتھ ابھر آیا کہ جس کی نظر ایک پہلو پر پڑ گئی اسی پر ساری توجہ مرکوز ہو گئی۔ دوسرے تمام پہلوؤں پر نظر نہ جا سکی اور کوئی بھی تمام پہلوؤں کا احاطہ نہ کر سکا۔

کسی نے بحیثیت رسول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر نظر ڈالی تو تحقیقات کا دریا بہاتا چلا گیا لیکن بحیثیت رسول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا مقام ہے اس کا کوئی ادراک نہ کر سکا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بگڑے ہوئے معاشرہ کی اصلاح فرمائی، یہ دیکھ کر کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مصلح کی حیثیت سے پیش کیا لیکن اصلاحات کے دائرے سے وسعت اور قلیل مدت میں حیرت انگیز کامیابی پر نظر پڑی تو اس کے سوا کچھ نہ کہہ سکا کہ آپ جیسا کوئی مصلح نہیں گزرا۔ کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو ایک انقلاب سے تعبیر کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انقلابی رہنما سمجھ لیا لیکن یہ انقلاب بھی بے مثل تھا۔ کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک عظیم رہنما کہا تو کسی نے محسن انسانیت، رحمت للعالمین، کسی نے بہترین نمونہ حیات کہہ کر خراج عقیدت پیش کیا۔ کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاست، عدالت، غربا پروری، امانت اور

دیانت کو موضوع بنایا کسی نے معاشرت اور ازدواجی زندگی کو اجاگر کیا۔ اس طرح ہر ہر پہلو پر مستقل کتابیں لکھ ڈالیں لیکن سفر ختم کرنے کے بعد یہی معلوم ہوا کہ تحقیق کی راہیں تو اب کھلی ہیں۔ نہ کسی ایک پہلو پر کام مکمل ہو سکا۔ نہ سارے پہلوؤں کا احاطہ ہو سکا۔ کوششیں جاری ہیں، ہر لمحہ نئے انداز سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر تحقیق ہو رہی ہے۔ نئے نئے گوشے ابھر رہے ہیں اور ہر میدان میں آپ کی امتیازی شان نمایاں ہوتی چلی جا رہی ہے۔

آپ تاریخ عالم کی منتخب ہستیوں کے کارناموں کو سامنے رکھ لیجئے۔ پھر اسی شعبہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کارناموں پر ایک نظر ڈالیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس کے سوا کچھ اور نہیں کہہ سکیں گے کہ کسی بھی جہت سے کائنات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ثانی نہیں ہے، کوئی گل ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً لاجواب چمن ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ بات ہم بلاشبہ عقیدت کی بنا پر کہہ رہے ہیں۔ اس کے اظہار میں ہمیں قطعاً تردد نہیں اور اسے اپنی خوش نصیبی ہی سمجھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے عقیدت کی نعمت سے نوازے گئے۔ لیکن یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ حقیقت بھی یہی ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ثانی نہیں ہے (انسانوں میں اور پوری کائنات میں) خالق کائنات کا بہترین اور حسین ترین کوئی شاہکار ہے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ اب ملاحظہ فرمایئے اس حقیقت کی کچھ جھلکیاں۔ جب بھی دنیا میں خرابی پھیلی ہے، جب بھی انسانی معاشرہ میں فساد رونما ہوا ہے تو کچھ نہ کچھ لوگ اصلاح کے لئے کھڑے ہوئے ہیں اور کبھی کبھی اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ ان تمام اصلاحی کوششوں کی چند مشترک خصوصیات یہ رہی ہیں:

۱- اصلاحات کا دائرہ ہمیشہ زندگی کے چند مخصوص شعبوں تک محدود رہا ہے۔ مثلاً اگر کسی نے مذہبی شعبہ میں اصلاح کی کوشش کی تو سیاسی اور معاشی نظام سے تعرض نہیں کیا، کسی نے معاشی نظام کی خرابیاں دور کرنی چاہیں تو مذہب و اخلاق کو نظر انداز کر دیا، تو کسی نے سارے مسائل کا حل سیاسی نظام کی اصلاح میں منحصر سمجھ لیا۔ اس کا نتیجہ ہمیشہ یہی نکلا ہے کہ اول تو کسی بھی شعبہ میں اصلاح نہیں ہو سکی اور اگر وقتی طور پر کچھ خرابیاں دور ہو بھی گئیں تو پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ دوسرے شعبوں میں خرابیاں پھیل گئیں اور جزوی اصلاحات کا ایک نہ ختم ہونے والا چکر شروع ہو گیا۔

۲- جتنے بھی مشہور مصلحین گزرے ہیں۔ ان کی نظریں ہمیشہ ایک مخصوص طبقہ یا زیادہ سے زیادہ اپنی قوم پر مرکوز رہیں۔ اس لئے ان کے کارنامے وقتی رہے ہیں اور ان کے اثرات بہت محدود۔

اس کے برخلاف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے صرف ایک نہیں بلکہ تمام شعبوں میں اصلاح فرمائی ہے۔ اس کوشش میں نہ صرف یہ کہ آپ قلیل مدت میں کامیاب بھی ہو گئے بلکہ ہزاروں مصلحین کی ایک جماعت تیار فرما دی۔

خوف خدا کا اثر

مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ میں نے مکہ معظمہ میں ایک خاتون کو دیکھا جن کی آنکھیں بے حد اچھی تھیں، یہاں تک کہ مکہ کی خواتین ان کو دیکھنے کی غرض سے آتی تھیں، یہ حال دیکھ کر وہ نیک بخت خاتون رونے لگیں۔ جب ان سے کہا گیا کہ اگر اس قدر اشک باری کرو گی تو آنکھیں خراب ہو جائیں گی۔ اس نے جواب دیا کہ اگر میرا شمار اہل جنت میں سے ہے تو اللہ اس سے بہتر آنکھیں عطا فرمائے گا، اور اگر خدانخواستہ میں جنت کے لائق نہ ہوئی تو آنکھ کو بھی سخت عذاب ہوگا، یہ کہہ کر خاتون پھر رونے لگیں اور ان کی دونوں آنکھیں خوف خدا سے گریہ وزاری کرتے کرتے بیکار ہو گئیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

حالات کیسے تبدیل ہوں گے

قرآن پاک میں ارشاد گرامی ہے:

الا من تاب و آمن و عمل صالحاً فاولئك يبدل الله سيئاتهم حسنات و كان الله غفوراً رحيما.

(سورہ فرقان: آیت ۷۰)

اس وقت مجھے اصلاح اعمال کے متعلق ایک ضروری مضمون بیان کرنا ہے۔ اس مضمون کے ضمن میں ان کوتاہیوں اور غلطیوں کو بھی بہ قدر ضرورت بیان کرنا چاہتا ہوں جو سالکین کو سلوک کے دوران پیش آتی ہیں۔ یہ غلطیاں بعض عامیانہ ہیں اور بعض خاصیانہ، یعنی بعض تو وہ ہیں جو عوام کو واقع ہوتی ہیں اور بعض وہ ہیں جو خواص کو پیش آتی ہیں۔ اس مضمون کو پڑھنے کے بعد معلوم ہوگا کہ یہ مضمون نہایت ضروری ہے اور مشترک ہے عوام اور خواص سب کے درمیان کہ جس پر سب کو متنبہ ہونا ضروری ہے۔ گو یہ مضمون ذرا دقیق اور مشکل ہے، لیکن ان شاء اللہ اس کا اہتمام کیا جائے گا اور کوشش کی جائے گی کہ خواتین بھی سمجھ لیں۔ ہر چند کہ اس مضمون کے یہاں بیان کرنے کی رائے نہ ہوتی کیونکہ شاید مستورات کے ذہن میں نہ آئے مگر چونکہ ضروری ہے لہٰذا اسی کو اختیار کرتا ہوں۔ آگے حق تعالیٰ کے اختیار میں ہے، اسی پر بھروسا ہے۔

عذاب سے محفوظ لوگ

حق تعالیٰ نے اس سے پہلے کہ آیت میں بعض ایسے اعمال کا ذکر کیا ہے جس سے منع کیا گیا ہے یعنی بعض معاصی کا بیان کیا ہے اور اس پر وعیدیں فرمائی ہیں جو شرک کرے گا یا بدکاری کرے گا قتل کرے گا اس کو اس طرح عذاب ہوگا۔ پھر اس آیت میں اس عذاب سے استثنا فرماتے ہیں، جس کا یہ حاصل ہے کہ سب کو عذاب ہوگا مگر ان کو نہ ہوگا جن کی یہ شان ہے کہ انہوں نے جملہ معاصی سے توبہ کر لی اور ایمان لے آئے اور نیک عمل کیے۔ یعنی کفر سے بھی توبہ کی اور کفر سے توبہ یہ ہے کہ کفر چھوڑ کر ایمان لے آئے اور چونکہ اوپر ذکر کفر و شرک کا بھی تھا اس کے متعلق تو یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ”امن“ یعنی ایمان لے آئے اور چونکہ بعض اور معاصی بھی مذکور تھے، گو ان کے کرنے والے کافر ہی ہیں، مگر فی نفسہ ان کی خصوصیت خاص کفار ہی سے نہیں بلکہ جو بھی ان گناہوں میں مبتلا ہو۔ اس کے لئے تدارک اور اصلاح کا طریقہ بھی بتاتا ہے، اس لئے ”امن“ کے ساتھ ”تاب“ کو فرمایا۔ گو ”تاب“ کو پہلے فرمایا جس سے مطلب یہ ہے کہ توبہ تو جملہ معاصی سے ضروری ہے ہی مگر خاص طور پر کفر سے توبہ نہایت ضروری ہے۔ یعنی ایمان بھی ضروری ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ جتنے معاصی ہیں ان سے توبہ کرنا چاہئے اور ان میں سے کفر و شرک بھی ہیں۔ اور توبہ کا طریق یہ ہے یعنی بعض معاصی سے توبہ یہ ہے کہ ایمان بھی لے آئے، گویا یہ ایک بات کو عمومی طور پر ذکر کر کے پھر ایک بات کو خاص طور پر بھی ذکر فرمایا گیا ہے، ورنہ ظاہر یہ تھا کہ ایمان مقدم ہوتا ہے۔ مگر اس میں یہ نکتہ ہے جو میں نے بیان کیا اور یہ بات عکس میں حاصل نہ ہوتی۔

پھر فرماتے ہیں کہ عمل عملاً صالحاً یہ نہیں کہ توبہ کر کے بیٹھ رہے، بلکہ آئندہ کے لئے بھی اہتمام کرے اور نیک کام کیا کرے۔ نیک کام میں دونوں باتیں آ گئیں۔ معاصی کا چھوڑنا بھی اور طاعات کا اختیار کرنا بھی۔ جو شخص ایسا کرے گا وہ البتہ عذاب سے بچے گا۔ آگے اس کی صورت بتاتے ہیں کہ عذاب سے بچنے کا کیا طریقہ ہوگا؟ اور اس طرز کی کیا خاصیت ہوگی؟ لیکن اس خاصیت کے ذکر کو میں ذرا موخر کروں گا گو

زیادہ مقصد اسی کو بیان کرنا ہے، مگر چونکہ توبہ کا مضمون بھی جو اس مقام پر ذکر ہے، ضروری ہے اس لئے اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

گناہ کی عادت

حق تعالیٰ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہوں کا تدارک ضروری ہے۔ چونکہ یہ ظاہر ہے کہ ہم لوگوں سے کوتاہی ضرور ہورہی ہے اور وہ کوتاہی ظاہر ہے یعنی حالت یہ ہے کہ عام طور سے سب ہی گناہوں کا ارتکاب کررہے ہیں، سب ہی مبتلا ہیں، پڑھے لکھے بھی، ان پڑھ بھی، مرد بھی، عورتیں بھی۔ اور کسی کو اس طرف توجہ نہیں کہ ہاں میں گناہ کررہا ہوں چاہے وہ گناہ چھوٹا ہی ہو بلکہ بعض حیثیتوں سے چھوٹا گناہ بھی بڑا بن جاتا ہے اس طرح کہ جب گناہ کو چھوٹا سمجھا تو یہ گناہ کا چھوٹا سمجھنا خود بڑا گناہ ہے۔ یوں تو اعتقاداً چھوٹے گناہ کو چھوٹا سمجھے کیوں کہ خود شریعت نے صغیرہ و کبیرہ گناہوں کی طرف تقسیم کی ہے لیکن عملاً چھوٹا سمجھنے سے یعنی ہلکا سمجھنے سے اس پر اصرار ہوگا۔ اب وہ گناہ بڑا ہوگیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس مرض میں سب ہی مبتلا ہیں۔ دور کیوں جائیں، اب غیبت ہی ہے۔ کون اس گناہ کا ارتکاب نہیں کرتا، لیکن ساتھ ہی جیسا کہ گناہوں سے کراہت ہونا چاہئے وہ کراہت اس سے نہیں۔ ٹٹول کر دیکھ لو عوام بھی، خواص بھی، مرد بھی، عورت بھی کہ غیبت کو اتنا برا نہیں سمجھتے جیسا کہ اور گناہوں کو۔ بلکہ دل بھی برا نہیں ہوتا جیسا کہ دوسرے گناہ کرنے سے ہوتا ہے۔ دیکھئے گا کہ اگر اس مسلمان کو بھولے سے شراب پینے کے بعد یہ معلوم ہوجائے کہ میں نے دھوکے سے شراب پی لی ہے تو گو اس کو گناہ نہیں ہوا اس لئے کہ اس کو خبر ہی نہیں ہوئی کہ یہ شراب ہے لیکن ٹٹول کر دیکھ لیجئے کہ کتنی متلی ہوگی؟ کتنا جی بھرا ہوگا؟ پلانے والے پر کتنا غصہ آئے گا۔ اگر خود ہی دھوکے میں پی گیا تو اپنے اوپر کتنا غصہ آئے گا؟ اور کتنی نفرتیں کرے گا کہ ''لاحول ولاقوۃ'' کیا حماقت ہوئی؟ دوڑا دوڑا پھرے گا۔ بے چین ہوکر فتویٰ پوچھنے پہنچے گا کہ مولوی صاحب غضب ہوگیا، میں سمجھا کہ دوا ہے برتن میں، حالانکہ تھی شراب، میں دوا کے دھوکے میں پی گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ تو شراب تھی! میرا ایمان رہا یا گیا؟ جی! اب کس طرح اس کا تدارک کروں؟ اب مولوی صاحب بہتیرا کہہ رہے ہیں کہ ارے بھائی، غلطی میں گناہ نہیں ہوتا تم بے فکر رہو لیکن اس کا دل کسی طرح صاف نہیں ہوتا۔ کیوں صاحب! شراب پینا بلاقصد حالانکہ گناہ نہ تھا صرف گناہ کے مشابہ تھا مگر اس سے کتنا جی برا ہوا۔

لیکن ٹٹول کر دیکھئے گا کہ باوجود جاننے کے غیبت گناہ ہے غیبت کرکے کبھی اس سے آدھا، تہائی، چوتھائی بھی جی برا ہوتا ہے، ہرگز نہیں۔ بس معلوم ہوا کہ غیبت کرنے کی جو عادت پڑگئی ہے، کرتے کرتے مساوات ہوگئی ہے۔ اور یہی حالت ہر گناہ کی ہے کہ عادت سے مساوات ہوجاتی ہے۔ ایک بزرگ کی حکایت لکھی ہے کہ انہوں نے کہیں راستے چلتے کسی کو کوئی گناہ کرتے ہوئے دیکھ لیا۔ چونکہ اس سے پہلے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا تھا اس لئے اس قدر ناگوار ہوا، اس قدر تکلیف پہنچی کہ مارے غصے کے جب گھر گئے اور استنجے کی حاجت ہوئی تو پیشاب جو کیا تو پیشاب کے بجائے خالص خون نکلا۔ کیا گہرا اثر تھا؟ اگلے دن پھر ایسا ہی اتفاق ہوا لیکن پیشاب ہی ہوا، گو گرم ہوا، پھر ایسا ہی اتفاق ہوا تو وہ گرمی بھی نہ رہی، اچھے خاصے ہوگئے جیسے تھے۔ تو دیکھئے عادت کو کتنا بڑا دخل ہے مگر گناہ دیکھنے کی عادت میں تو تھے مجبور، اس لئے یہاں ملامت نہیں ہے۔ اب کیا آنکھیں بند کرکے چلیں؟ کیا آنکھیں پھوڑ لیں؟ ایک شخص راستے میں گناہ کرتا ہے اور پہلے سے خبر نہیں تو اگر اس پر بلاقصد نظر پڑجائے تو مجبوری ہے۔ اس پر اگر کراہت طبعی میں توجہ ہوجائے تو کچھ غم نہیں کیونکہ یہ دیکھنا ارادے سے نہیں تھا۔ لیکن گناہ کرنا یہ تو اختیاری عمل تھا، یہ گویا بہ ارادہ تھا، اس کی طرف جو دل گیا تو یہ البتہ قابل ملامت ہے۔

گناہ کی عادت کی وجہ سے یہ حالت ہوگئی ہے کہ گناہ کرکے جی بھی برا نہیں ہوتا۔

مگر تب بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایمان نہیں رہا۔ بات یہ ہے کہ عقلی و اعتقادی ناگواری تو اب بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ کوئی متنبہ کرتا ہے تو نادم ہوتے ہیں کہ بھائی دعا کرو! ہم سے یہ گناہ چھوٹ جائیں، اور ہم ان بری عادتوں سے نجات پائیں۔ بہرحال ایمان کی بقا کے لئے عقلی ناگواری کافی ہے۔ اس لئے میں نے عرض کیا تھا کہ اگر عادت کی وجہ سے گناہوں سے طبعی ناگواری نہ رہے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایمان نہیں رہا۔

ایک حدیث میں ہے کہ جب نیکی کرکے جی خوش ہو اور گناہ کرکے رنج ہو، تب تم مومن ہو۔ بعض دفعہ یہ شبہ ہوجاتا ہے کہ یہ حالت تو ہماری نہیں، پس کیا ہمارا ایمان رہا؟ اس میں بھی محقق علماء کہتے ہیں کہ یہاں جی خوش ہونا اور جی برا ہونا طبعی مراد نہیں۔ اگر طبعی نہ ہو، عقلی ہی ہو تب بھی بقائے ایمان کے لئے کافی ہے۔ ہاں، اگر عقلاً بھی نہ ہو تو ایمان جاتا رہا۔ بہ ہر حال اگرچہ عات پڑجانے کی وجہ سے گناہوں سے طبعاً کراہت نہیں رہی لیکن عقلاً تو برا سمجھتے ہیں البتہ برائی کی وہ کیفیت جو اول بار گناہ کرنے کے وقت ہوئی تھی، وہ نہ رہی۔

گناہ کے خدشے سے بھی بچو

ہر چند انسان امور طبیعہ کا مکلف نہیں۔ لیکن جب حق تعالیٰ نے ایک دولت دی ہو اور وہ کم ہوجائے خواہ ہماری غلط تدبیر سے تو چاہے اس کے کم ہوجانے کا گناہ نہ ہوا لیکن آئندہ کے لئے یہ دروازہ تو معاصی کا ہے کیونکہ جو چیز پہلے روک رہی تھی، اب کمزور ہوگئی۔ لہٰذا اندیشہ یہ ہوگیا ہے کہ گناہ اب زیادہ ہوں گے۔ یہ بھی فکر کی بات ہے۔ اس کا بھی تو غم ہونا چاہئے۔ جو محتاط ہیں وہ دور کے خدشات سے بھی مغموم اور پریشان ہوتے ہیں۔ مشہور ہے کہ کسی کے پیٹ پر سے ایک دفعہ سوتے میں سانپ گزر گیا تھا۔ وہ غم میں بیٹھا ہوا تھا۔ لوگوں نے کہا کہ میاں اب غم کی کیا بات ہے؟ خدا کا شکر کرو کہ بچ گئے، کاٹا تھا۔ اس نے کہا کہ جی اس کا غم نہیں کہ کاٹ لیتا تو کیا ہوتا مگر غم اس کا ہے کہ یہ اس کے آنے جانے کے لے سڑک ہوگئی۔ یہ برا ہوا میرا پیٹ سانپ کا راستہ ہوگیا۔ دیکھئے کبھی کاٹ ہی نہ لے۔ یہ ہے تو حکایت ہنسی کی، مگر ہر ہنسی سے نتیجہ نکالنا چاہئے اور سبق لینا چاہئے گو یہ حکایت ایک لطیفہ ہے مگر بعض لطیفوں میں بھی سبق ہوا کرتا ہے۔ تو اس حکایت میں جو احتیاط ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اندیشے کی چیز سے بچنے کے اہتمام میں مشغول ہو اور تدبیر میں لگ جائے۔ یہ معنیٰ ہیں احتیاط کے۔ تو اگر کسی نے غیبت کی اور اس کا جی برا نہ ہوا تو اس بنیاد پر چونکہ ایک آدمی یہ کہہ سکتا تھا کہ ایمان موجود ہے اور طبعی رنج ہے تو گناہ کیا ہوا؟ میں اس کا جواب دے رہا ہوں کہ بھائی پہلے جب طبعی مسرت اور طبیعت کراہت موجود تھی، اس وقت گناہوں سے روکنے والی یہ رکاوٹ قوی تھی۔ اس لئے گناہ سے بچنے کے لئے اس وقت زیادہ محنت کی ضرورت نہ ہوتی تھی کیونکہ یہ خود طبیعت کے اندر ہی رکاوٹ موجود تھی لیکن وہ مقام اب ضعیف ہوگیا۔ اب اگر بہت ہی اہتمام کے ساتھ معصیت سے رکوگے، تب تو بچ سکوگے ورنہ بہت جلد گناہ میں مبتلا ہوجاؤ گے۔

غیبت میں ابتلا

دیکھئے، شراب سے جی برا ہوتا ہے۔ خود پینا تو درکنار، اگر کوئی زبردستی پلادے یا خود دھوکے میں بلاقصد پی جائے تب بھی پریشان ہوجاتا ہے، اور توبہ کرتا ہے۔ لیکن غیبت سے ایسا جی برا نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات احساس بھی نہیں ہوتا کہ ہم غیبت کررہے ہیں۔ بعض مرتبہ تو اخیر تک بھی احساس نہیں ہوتا لیکن بعض دفعہ تھوڑی دیر ہی میں متنبہ ہوجاتا ہے مگر آدھی غیبت کے بعد پھر کون رکتا ہے؟ بالخصوص جو باعمل علماء ہیں ان کو اس قسم کا تنبہ ضرور ہوجاتا ہے۔ البتہ عوام کو اکثر بالکل احساس ہی نہیں ہوتا۔ وہ بڑے مزے میں ہیں جو غیبت کو اخیر تک پہنچا کر ہی ختم کرتے ہیں اور انہیں خبر بھی نہیں ہوتی کہ ہم نے کوئی گناہ کیا۔ اور مولانا صاحب کو بہ وجہ علم ہونے کے تنبیہ ہوتی ہے، خاص کر اگر کوئی مولانا صاحب

تھوڑے سے شاہ صاحب بھی ہوں تب تو ضرور احساس ہوتا ہے مگر چونکہ بات تو شروع ہوگئی تھی، اس لئے تنبہ کے اثر کو دل سے ہٹا کر اور اس سے اعراض اور بے پروائی کر کے غیبت کو منقطع کرنے کے بجائے غیبت کو آخر تک پہنچا کر چھوڑتے ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ اب حکایت تو شروع کر ہی چکے ہیں، غیبت تو ہو ہی گئی پھر اب چھوڑنے سے کیا فائدہ ہوگا؟ دوسرے یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ اگر بیچ میں سے کہنا چھوڑ دوں گا تو سننے والا یوں سمجھے گا کہ اب آپ کو خبر ہوئی کہ یہ غیبت ہے اور یہ سمجھے گا کہ دیکھو مولانا صاحب نے شاہ صاحب نے باوجود غیبت ہونے کے پھر اس کا ارتکاب کیا۔ اس سے ہماری شاہ صاحبی اور مولوی صاحبی میں فرق آئے گا اور اگر غیبت کو پورا کر گئے تو اللہ میاں کو راضی کر لینا کون سا مشکل ہے؟ کیونکہ ان کی نظر شاہ صاحبی اور مولوی صاحبی پر نہیں ہے اور اگر بیچ میں غیبت چھوڑ دی تو ہماری وقعت اور عظمت میں فرق آجائے گا۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کر لینا تو اتنا آسان سمجھتے ہیں جیسے توبہ توبہ...... بچے کا راضی کر لینا کہ چاہے جتنا رو رہا ہو اور غصہ کر رہا ہو، جہاں اس سے یہ کہا کہ آج تجھے ہم ایک پیسہ دیں گے بس ہنسنے لگا۔ ان کا کیا ہے؟ وہ تو ذرا سی دیر میں راضی ہو جاتے ہیں۔ وہ تو بہت ہی ارزاں ہیں۔ اللہ توبہ اللہ توبہ، نعوذ باللہ۔ یہ ان کی رحمت کی قدر کی؟ مگر جہاں ان کی رحمت پر نظر کی ان کی جباری، ان کی قہاری، ان کا جلال یہ بھی تو دیکھنے کے قابل تھے۔ اللہ اکبر! اس پر نظر کر کے گناہوں سے ضرور رکاوٹ ہونی چاہئے، کیونکہ ایسے جبار اور ایسے قہار کے راضی کرنے کی ہمت ہی کہاں پڑے گی؟ دیکھئے ایک حاکم پر پورا اطمینان ہوتا ہے کہ میں جب معافی مانگوں گا، ضرور معاف کردے گا مگر خدا جانتا ہے باوجود یقین کے بولنے کے ہمت نہیں پڑتی۔ اسی طرح جنہوں نے حق تعالیٰ کی عظمت کو پہچان لیا انہیں باوجود اس یقین کے کہ وہ رحیم و کریم ہے، معافی چاہنے سے ضرور دے گا لیکن معافی مانگنے کی ہمت ہی نہیں پڑتی۔

اللہ تعالیٰ کی شان عظمت وجلال کا اثر

ایک عالم کو ان کے انتقال کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ انہوں نے کہا کہ حق تعالیٰ نے مجھ سے یہ فرمایا کہ تم ہمارے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کرتے جاؤ اور ہم سے معافی لیتے جاؤ۔ چنانچہ میں سارے گناہوں کا اقرار تو کر لیا، لیکن ایک ایسا واہیات گناہ ہے کہ اس کے اقرار کرنے کی خدا کے سامنے ہمت نہیں ہوتی۔ میں نے ایک لڑکے کو بری نگاہ سے دیکھا تھا۔ اب یہ خدا کے سامنے کیسے کہوں کہ میں نے لڑکے کو گھورا تھا۔ بس اس گناہ کے عذاب میں مبتلا ہوں۔ وہاں سے یہ اصرار ہے کہ زبان سے اقرار کرو۔ مجھے عذاب جھیلنا تو آسان ہے لیکن زبان سے یہ نہیں کہا جاتا کہ میں نے لڑکے کو گھورا تھا۔ بھلا ایسی واہیات بات کو خدا کے سامنے کیسے کہہ دو؟ تو بات یہ ہے کہ موت کے بعد حقیقت اور عظمت حق جل شانہ وعم نوالہ کی منکشف ہو جاتی ہے اس لئے وہاں ان کی جلالت شان وعظمت کا پورا اثر پڑے گا۔ یہاں چونکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت چھپی ہوئی ہے اس لئے اثر نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی رحمت ہے کیونکہ اگر یہاں پر اتنا انکشاف ہو جاتا جتنا کہ آخرت میں ہوگا تو شاید شدت ہیبت سے نیک اعمال کا صدور بھی نہ ہو سکتا۔ اس لئے حکمت کے تحت اللہ کی عظمت پوشیدہ ہی ہونا چاہئے مگر اتنا بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت جتنی ظاہر ہے، اس کا کچھ اثر ہی نہ ہو۔ دونوں کا ہونا ضروری ہے۔ نہ اتنا انکشاف ہو کہ توبہ کرنے کی بھی ہمت نہ پڑے، نہ اتنا اخفا ہو کہ گناہوں پر عمل کر رہا ہو۔ گناہوں کی کچھ پرواہ ہی نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کی قدر کو نہ پہچانا

خلاصہ یہ ہے کہ خدا کی عظمت اور شان کا کچھ اثر ہونا چاہئے کہ گناہوں کے لئے کچھ تو رکاوٹ ہو۔ بس گویا یہ سمجھ رکھا ہے کہ جس کی تشبیہ ایسی ہے جیسے بچے کے راضی کر لینے کی۔ کتنے افسوس اور شرم کی

بات ہے۔ خدا کے کمالات اور شان کا ماننے والا اور اس پر اس ماننے کا صرف ایسا اثر جیسے بچے کا۔ کس قدر بے قدری ہے۔

اے گراں جاں خوار دیدستی مرا
زانکہ بس ارزاں خرید ستی مرا

(ترجمہ : مجھے گھٹیا سمجھ لیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تو نے مجھے ارزاں خریدا ہے۔)

چونکہ خدا کو راضی کرنے کے لئے کوئی مشقت نہیں کرنی پڑی اس لئے یہ بے قدری ہے۔ "**ما قدروا اللہ حق قدرہ**" اس لئے خدا کا راضی کرنا آسان سمجھتے ہیں بہ نسبت مخلوق کی نظر سے گر جانے کے۔ چونکہ مخلوق کی نظر سے گر جانا گراں اور ناگوار ہے اس لئے یہ حضرت باوجود احساس کے وہ واقعہ تو پورا کر ہی دیتے ہیں کیونکہ بیچ میں چھوڑنے سے سننے والے دل میں یہ نہ کہیں کہ حضرت نے غیبت شروع ہی کیوں کی تھی؟ تو معلوم ہوا ان حضرات کو دوران گفتگو ہی میں یہ خبر ہوگئی تھی کہ غیبت کر رہا ہوں پھر بھی اس کو چپکے چپکے کہتے چلے گئے۔ یہ تو مقدس نفوس کی حالت ہے۔ دل کو یہ سمجھا لیتے ہیں کہ آئندہ خیال رکھیں گے۔ اب جو غیبت شروع کر چکے ہیں اسے تو کر ہی لو تا کہ سننے والا اسی گمان میں رہے کہ حضرت غیبت کرتے ہی نہیں۔ اس کا پتا نہ چلے کہ حضرت غیبت کرتے ہوئے بیچ میں چھوڑ دیتے ہیں۔ کتنا بڑا نفس کا دھوکا ہے؟ کچھ حد ہے۔ یہ کیا بات ہے۔ بات یہ ہے کہ غیبت کرنے سے پہلے اس سے جی اتنا برا نہیں ہوتا جیسا غیبت کرنے کے بعد برا ہوا۔ غرض یہ ہے کہ ایسا جی برا نہیں ہوتا جیسے شراب پینے میں کہ جو اول اول شراب پیتا ہے اس کا بہت جی برا ہوتا ہے۔ اسی طرح افیون جو اول اول کھاتا ہے اسے بہت تکلیف ہوتی ہے، خاص کر اگر سن لیں کہ افیون گناہ بھی ہے تب تو اور بھی جی برا ہوتا ہے۔ ویسے خود طبیعت بھی ایسی چیزوں کو قبول نہیں کرتی مگر باوجود اس طبعی کراہت کے جب عادت افیون کھانے کی پڑ جاتی ہے تو پھر یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر نہ ملے تو پریشان اور حیران ہوتا ہے۔

نشئی بندر

اور آدمی تو آدمی لکھنؤ کا واقعہ ہے، ایک بندر کا قصہ سنا ہے کہ وہاں کسی افیونی نے ایک بندر کو افیون کھلا کھلا کر اسے افیون کی عادت ڈال دی۔ بڑا سا بندر تھا۔ یہ حکایت سنی ہے، واللہ اعلم کہاں تک صحیح ہے کہ وہ ایک سڑک پر پڑا رہتا تھا۔ بڑا سا بندر تھا۔ جو کوئی سفید پوش ادھر سے گزرتا اس کا دامن پکڑ کر بیٹھ جاتا مگر کاٹتا نہ تھا کیونکہ افیون کھانے والا آدمی خوش اخلاق بہت ہو جاتا ہے، غصہ رہتا ہی نہیں مگر کوئی صاحب اس غرض کے واسطے کہیں کھانا شروع نہ کردیں کسی کا اس نے دامن پکڑا وہ ڈرا کہ کہیں کاٹ نہ کھائے، کوئی شخص اس کے حال سے واقف آگیا۔ اس نے کہا کہ آپ ڈریئے نہیں۔ ایک پیسہ دیجئے اس کو افیون کی عادت ہے۔ افیون کے لئے پیسہ مانگ رہا ہے۔ بس انہوں نے پیسہ دے دیا۔ اس نے پیسہ لیتے ہی دامن چھوڑ دیا۔ بس وہ اسی طرح ہمیشہ سفید پوشوں سے پیسہ وصول کر کے افیون کے لئے پیسہ مانگ رہا ہے۔ بس انہوں نے پیسہ دے دیا۔ اس نے پیسہ لیتے ہی دامن چھوڑ دیا۔ بس وہ اسی طرح ہمیشہ سفید پوشوں سے پیسہ وصول کر کے افیون کی دوکان پر پہنچتا تھا۔ سب کو اس کا حال معلوم تھا ہی، دوکان دار نے کٹوری میں افیون گھول کر سامنے رکھ دی۔ اس نے پی لی اور کونے میں بیٹھ گیا۔ اب آپ بیٹھے پینک میں جھوم رہے ہیں اور مزے لے رہے ہیں مگر ہمیشہ ایک ہی شخص کو نہ ستاتا تھا۔ ہر روز اس کا نشانہ ایک مختلف شخص ہوتا تھا۔ بے چارہ بہت بھلا مانس بلکہ بھلا بندر تھا۔ بھلا مانس تو کیوں ہوتا، مانس تو آدمی کو کہتے ہیں۔

عادت کا خلاصہ

غرض عادت کا خلاصہ یہ ہے کہ طلب پیدا ہو جاتی ہے۔ آدمی تو کیا جانور میں بھی اس سے طلب پیدا ہو جاتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ چونکہ جی برا نہیں ہوتا، اس لئے مانع طبعی نہیں ہے اور تجربہ ہے کہ ہم لوگوں کے عملوں میں بھی اور جو کام ہم نہیں کرتے ان

میں بھی یعنی جو کام اچھے ہم کرتے ہیں یا جن برے اعمال سے ہم بچتے ہیں ان میں محض داعیہ عقلی کافی نہیں یعنی محض اس کے ذریعے اس کام کے کرنے یا نہ کرنے پر سہولت سے قادر نہیں ہو سکتے بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ کچھ طبعی تقاضا بھی ہو۔

نیکی کی توفیق اللہ ہی کا فضل ہے

ہم جو نماز پڑھتے ہیں تو یوں سمجھتے ہیں کہ ہم بڑا کام کرتے ہیں، حالانکہ نمازی سوچ لیں کہ نماز کے وقت قلب میں نماز کا تقاضا ایسا ہوتا ہے کہ اگر نہ پڑھیں تو جی برا ہوتا اور دل پر بڑا بوجھ پڑتا ہے۔ تو جناب، یہ وہ چیز ہے جو پانچوں وقت زبردستی نماز کے لئے کھڑا کر دیتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ یہ خدا اگر اللہ کی ہدایت ہمارے شامل حال نہ ہوتی تو نہ ہم نماز پڑھتے اور نہ صدقہ خیرات کرتے۔ یہ جو کچھ ہم سے نماز روزہ ہو رہا ہے یہ محض خدا کا فضل و کرم ہے اور انسان سمجھتا ہے کہ یہ میری طلب کا نتیجہ ہے۔

مگر نسبت آپ کے ارادے ہی کی طرف کر دی جاتی ہے تاکہ آپ کا جی خوش ہو۔ ہمت بڑھے جیسے بچے سے باپ پتھر اٹھوا دیتا ہے تو پتھر بچے سے اٹھتا نہیں لیکن باپ اٹھوا دیتا ہے۔ اس طرح کہ ہاتھ تو لگا دیتا ہے اس کا لیکن اٹھا لے جاتا ہے خود بلکہ بچے کو بھی خود اٹھا لیتا ہے اس طرح کہ ایک گود میں تو بچہ اور ایک گود میں پتھر۔ پھر کہتا ہے کہ واہ بھائی واہ! بڑا بھاری پتھر اٹھا لائے شاباش۔ آہا اب تو ماشاء اللہ تم پہلوان ہو گئے۔ وہ بچہ خوش ہوتا ہے۔ سمجھتا ہے ہم سچ مچ پہلوان ہو گئے۔ الو کہیں کا؟ وہ کیا پہلوان ہوتا، وہ تو باپ نے دراصل پتھر اٹھایا ہے۔ لیکن اس نے اپنے بچے کی ہمت بڑھانے کے لے اس کا بھی ہاتھ برائے نام لگا کر اٹھانا اسی کی طرف منسوب کر دیا۔ اسی طرح انسان بڑا خوش ہوتا ہے کہ میں نے نماز پڑھی حالانکہ حق تعالیٰ نے خود ایک گود میں آپ کو اور ایک گود میں نماز کو لے کر دونوں کو منزل مقصود تک پہنچا دیا ہے۔ کام تو خود کیا اور نام آپ کا کیا۔ انہوں نے ہماری نماز ادا کی۔ حقیقت میں انہیں کا فضل ہے، انہیں کی رحمت ہے کہ ہمیں اس طرح سے نیک کاموں کی توفیق دے رکھی ہے۔

عادت کا اثر

بہرحال اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ طبعی رکاوٹ کے بغیر گناہوں سے بچنا نہایت دشوار ہے، اس لئے ضرورت ہے طبعی کراہت کی بھی۔ سو گناہ کرنے سے قبل تو طبعی کراہت ہوتی ہے لیکن جب گناہ صادر ہو گیا تو وہ اب طبعی نفرت کم ہوئی۔ پھر دوبارہ گناہ ہو تو اور کم ہوئی پھر اور کم ہوئی۔ اسی طرح کم ہوتے ہوتے پھر نفرت طبعی تو رہتی نہیں، صرف عقلی رہ جاتی ہے۔ ایمان تو رہتا ہے مگر وہ پہلے ایک عرفان کی کیفیت تھی اور ایقان کی، وہ جاتی رہتی ہے۔ پھر ہر موقع پر سخت مزاحمت کی ضرورت پڑتی ہے۔ وہ جو آسانی سے بچا رہتا تھا، وہ بات نہیں رہتی اس لئے ضرورت ہے کہ ہر مسلمان محض فضائل پر اکتفا نہ کرے بلکہ گناہوں کو بھی چھوڑ دے۔ فوراً اور واقعتاً اس کا اہتمام کرے۔ چند روز تو اہتمام کرنا پڑے گا پھر سہولت ہو جائے گی۔

خدا کے خوف سے گریہ وزاری

حضرت حفص بن عمر الجعفی فرماتے ہیں کہ یمن میں ایک خاتون تھیں جن کا نام خنساء بنت خدام تھا۔ انہوں نے چالیس سال متواتر روزہ رکھا۔ جس کی وجہ سے ہڈی اور چمڑہ ایک ہو گیا تھا۔ اللہ کی یاد میں اتنا روئی تھیں کہ دونوں آنکھیں جاتی رہیں۔ امام طاؤس اور امام وہب بن منبہ بھی ان کی تعظیم کرتے تھے۔

جب رات آ جاتی اور ہر طرف سناٹا چھا جاتا تو ان کی غم میں ڈوبی ہوئی آواز بلند ہوتی ''اے رب العالمین کب تک تو اس دنیا میں مقید رکھے گا۔ جلد اس سے نجات دے تاکہ تیرا وعدہ پورا ہوتا ہوا دیکھ سکوں یہ کہہ کر ان پر گریہ طاری ہو جاتا تھا۔ حتیٰ کہ پاس پڑوس والے بھی ان کے رونے کی آواز دیر تک سنتے رہے۔

محترم شیر محمد ایاز

رازدار نبوت

یہ ان دنوں کی بات ہے جب عبداللہ نے سن شعور کی دہلیز میں قدم بھی نہیں رکھا تھا، لوگوں سے الگ تھلگ مکہ کی پہاڑیوں میں بکریاں چرایا کرتے تھے، یہ بکریاں سردارانِ قریش میں سے عقبہ ابن ابی معیط کی تھیں۔

لوگ انہیں ابن ام عبد کے نام سے پکارتے تھے، جب کہ ان کا اصلی نام عبداللہ اور والد کا نام مسعود تھا۔

یہ کم سن آئے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق باتیں سنا کرتا تھا، دل تو بہت چاہتا کہ جا کر اس نبی کی باتیں سنے، جو آسمانوں سے بھی پرے دنیا کی خبریں بتاتا ہے۔ مگر حالات کے بندھن ایسے تھے جو چپ سادھ لینے پر مجبور کر دیتے، ایک دن کی بات ہے، اس بچے کی نظر دو آدمیوں پر پڑی، جو اسی کی طرف بڑھ رہے تھے، جب قریب پہنچے دیکھا کہ بہت باوقار چہرے ہیں اور انتہائی تھکن کے اثرات بھی چہروں سے ظاہر ہو رہے ہیں، پیاس سے ان دونوں کے حلق اور ہونٹ خشک ہو گئے ہیں، قریب آ کر ان دونوں نے سلام کیا اور کہنے لگے بچے! اگر برا نہ مانو تو ان بکریوں سے کچھ دودھ ہمیں دے دو، تاکہ پیاس کی آگ کو ہم بجھا دیں، بچے نے معذرت کی اور کہا میں ایسا نہیں کر سکتا، کیونکہ یہ بکریاں میری نہیں ہیں، میں تو صرف نگرانی پر مامور ہوں۔ اس جواب اور امانت داری سے دونوں حضرات بہت خوش ہوئے، ان میں سے ایک نے کہا: چلو، ہمیں وہ بکری دکھا دو، جو دودھ نہیں دیتی، بچے نے قریب ہی ایک چھوٹی سی بکری کی طرف اشارہ کیا، ایک نے آگے بڑھ کر بسم اللہ پڑھتے ہوئے اسے دوہنا شروع کر دیا، بچہ قریب ہی کھڑا حیرت و استعجاب سے ان کی طرف دیکھنے لگا، پہلے تو دل ہی دل میں ہنسنے لگا تھا کہ بھلا اس بکری سے یہ کیا حاصل کر سکیں گے؟ مگر اس بچے کا کہنا کہ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا، جب میں نے دیکھا کہ اس بکری سے دودھ کی دھاریں نکل رہی ہیں۔

پہلے ایک نے پیٹ بھر کر دودھ پیا، پھر دوسرے نے جتنا چاہا پیا اور پھر مجھے بھی پلایا، اس بچے نے اصرار کرنا شروع کر دیا کہ وہ الفاظ اسے بھی سکھا دیے جائیں جو انہوں نے بکری پر پڑھے تھے۔

اس مقدس اور بارعب چہرے والے نے کہا کہ تو بڑا مہذب بچہ ہے اور آگے چل دیے۔

یہ تھا عبداللہ بن مسعود کا ابتدائی واقعہ اسلام سے وابستگی کا اور یہ دونوں حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، جو اس بچے کی ایمانداری سے بہت خوش ہوئے تھے۔

اس کی تھوڑی مدت بعد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہو گئے اور اپنے آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لئے وقف کر دیا، بارگاہ نبوت سے بھی شرف قبولیت کا اعزاز نصیب ہوا، سفر و حضر میں ساتھ رہنے لگے، گھر میں آنے جانے پر کوئی پابندی نہیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرماتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جگایا کرتے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر کہیں تشریف لے جاتے تو یہ غلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جوتیاں پہنانے کی کوشش کرتے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوتے تو یہ غلام بڑھ کر جوتیاں اتارتے، اپنے سینے سے چمٹاتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عصائے مبارک اور مسواک ہاتھ میں لئے ہوتے کہ کب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی ضرورت محسوس ہو

اور دوڑ کر خدمت بجالائے۔ یہاں تک کہ رازدارِ نبوت پکارے جانے لگے۔

نچھاور اس غلامی پر جہاں کی تاجداری ہو

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں پرورش پائی، سب سے زیادہ فیض حاصل کیا، چونکہ یہ سایہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں پروان چڑھے تھے اس لئے اخلاق مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے متصف ہوگئے، یہاں تک کہ کہا جانے لگا کہ عبداللہ مسعود رضی اللہ عنہ اخلاق و اطوار میں حضور علیہ السلام کے قریب ترین شخص ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے والا یہ طالب علم کثرت قرأت قرآن، اس کے معنیٰ و مطلب کو سمجھنے اور شریعت کے جاننے میں دیگر ساتھیوں پر فوقیت لے گیا تھا، بہت سے واقعات ہیں جو اس بات کی شہادت دیتے ہیں۔

چنانچہ ایک مرتبہ کوفہ سے ایک آدمی آکر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا کہ کوفہ میں ایک آدمی قرآن کا املا کراتا ہے۔ حضرت عمر حسب عادت غصہ سے لال پیلے ہوگئے اور کہنے لگے تیری ہلاکت ہو! وہ کون ہے؟ کہنے لگے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، یہ سنتے ہی ان کا غصہ ایک دم ٹھنڈا ہوگیا اور گویا ہوئے کہ اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کسی ایسے شخص کو جو اس معاملہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے زیادہ استحقاق رکھتا ہو۔

کچھ توقف کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ ایک رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسلمانوں کے معاملات سے متعلق صلاح ومشورہ فرمارہے تھے، میں بھی ان کے ساتھ تھا، پھر حضور علیہ السلام باہر تشریف لائے، ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکل پڑے، دریں اثنا ایک شخص مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا، حضور علیہ السلام کھڑے ہوکر کچھ دیر اس شخص کی قرات سنتے رہے پھر ہماری طرف متوجہ ہوکر ارشاد فرمایا:

’جو شخص چاہتا ہے کہ قرآن مجید کو اس انداز سے پڑھے جس طرح وہ نازل ہوا ہے تو ابن ام عبد کی قرأت میں پڑھے۔‘‘

پھر جب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نماز سے فراغ ہوکر دعائیں مانگنے لگے تو سرورِ کائنات بھی ان کے حق میں دعا مانگنے لگے:

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میں نے دل میں سوچا فوراً جاکر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس خوش خبری سے آگاہ کردوں۔ جب میں صبح سویرے گیا تو دیکھا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مجھ سے سبقت کرچکے تھے، اللہ کی قسم! باوجود ہزار کوشش کے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھلائی کے کاموں میں آگے نہیں بڑھ سکا۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ علم کے بہت اونچے مقام پر فائز تھے، خود فرمایا کرتے تھے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں! قرآن مجید کی کوئی آیت ایسی نہیں جس کا مجھے علم نہ ہو کہ وہ کہاں اتری، کس کے حق میں اتری، اگر میں جانتا کہ مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کا جاننے والا زمین کے کسی حصے میں موجود ہو تو میں اس تک رسائی حاصل کرتا۔ ان کی اس بات میں ذرہ بھر بھی مبالغہ آرائی نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت بھی ان کی تبحر علمی کی معترف تھی اور بارہا اس کا اظہار بھی انہوں نے فرمایا۔

علمائے حدیث کا کہنا ہے کہ پانچ صحابہ جیسں سارے صحابہ کرامؓ جتنا علم پایا جاتا تھا، وہ معاذ بن جبل، موسیٰ اشعری، عمر فاروق، حضرت علی، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم ہیں اور پھر ان پانچوں جتنا علم حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور عبداللہ بن مسعود میں پایا جاتا تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود صرف قاری، عالم اور زاہد نہیں تھے، بلکہ مجاہد اور فن سپہ گری سے بھی بخوبی واقف تھے، چشم فلک نے رزمگاہوں میں یہ منظر بارہا دیکھا اور دنیا نے تسلیم کیا کہ ایک کامل مومن اور ولی اللہ کی ساری صفات ان کی ذات والا صفات میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ بایں ہمہ زمین کی پشت پر سب سے پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد جہر سے قرآن پڑھا، ایک دن کا واقعہ ہے، ابتدائے اسلام کا زمانہ تھا، کچھ صحابہ کرام آپس میں بیٹھے باتیں کررہے تھے، ایک کہنے والا کہہ رہا تھا کہ بخدا! قریش مکہ نے اس قرآن کو سنا نہیں ورنہ اتنی مخالفت نہ کرتے، کیا ہی اچھا ہو کہ قرآن باآواز بلند پڑھ کر ان کو سنایا جائے، مگر یہ کام اس زمانے میں جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بول اٹھے کہ میں سناؤں گا۔ انہوں نے روکا کہ ہمیں ایسا آدمی چاہیے جس کا خاندان وسیع ہو، جو کم از کم دشمنوں سے اس کی حفاظت ہی کرسکیں۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے قربانی کے جذبہ سے سرشار ہوکر فرمایا مجھے جانے دیں، اللہ تعالیٰ میری حفاظت اور حمایت کرے گا، اللہ کے سچے عاشق اور سپاہی بھلا ایسی مواقع کہاں ہاتھ سے جانے دیتے ہیں، بڑی بے چینی سے آنے والے دن کے انتظار میں رات کاٹی، دوسرے دن کا سورج طلوع ہوا ہی تھا کہ یہ عاشق نشاط وانبساط سے سوئے حرم چل پڑا:

یہ قدم قدم قیامت یہ سواد کوئے جاناں
جسے زندگی ہو پیاری وہ یہیں سے لوٹ جائے

عبداللہ بن مسعود خانہ کعبہ میں داخل ہوئے، مقام ابراہیم کی طرف بڑھے اشراق کا وقت تھا، رئیس مکہ کعبہ کے گرد بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی آواز بلند ہوئی، سننے والوں نے سنا کہ پڑھنے والا سورۂ رحمٰن کی ابتدائی آیات پڑھ رہا ہے، سب حیرت سے دیکھنے کے لیے کہ یہ ابن ام عبد کیا کہہ رہا ہے، سب ان پر ٹوٹ پڑے اور اس عاشق زار کو مارنے لگے، وہ پڑھتے رہے جتنا ممکن ہوسکا اور بڑی مشکل سے اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹے، اس حال میں کہ خون بہہ رہا ہے۔ وہ سب کہنے لگے کہ اسی وجہ سے تو ہم تمہیں وہاں بھیجنا نہیں چاہتے تھے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمانے لگے:

’’اللہ کی قسم! اب قریش مکہ میں مجھے پہلے سے زیادہ حقیر نظر آنے لگے ہیں، لہٰذا میں کل پھر جاؤں گا اور یہ عمل دہراؤں گا۔‘‘

اللہ اللہ کیا جذبہ ایمان تھا؟

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ خلافت عثمان رضی اللہ عنہ تک بقید حیات رہے، اس عرصہ تک لاکھوں تشنگان علوم نے آپ رضی اللہ عنہ سے فیض حاصل کیا، آپؓ نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کردہ دولت دونوں ہاتھوں سے لٹائی اور اس مسند علم کا حق ادا کیا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کوفہ تشریف لائے تھے، اس لیے علمی لحاظ سے کوفہ کو بہت اہمیت حاصل ہوگئی تھی اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عراق کے طالبان علم نے دامن دل کو علم وعرفان سے موتیوں سے بھرنا شروع کیا۔

شہادت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد بہت سارے فتنوں نے جنم لیا تھا، ان میں سے اکثر اپنے آپ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منسوب کرکے اپنے حق میں روایات گھڑ لیتے تھے، اس لیے محدثین کرام نے یہ اصول وضع کیا کہ حضرت علی سے منسوب روایت کی قبولیت اس شرط پر ہوگی کہ عبداللہ بن مسعود کے شاگرد اس روایت کی تصدیق کریں۔

اس طرح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو علمی دنیا میں بہت اہمیت حاصل ہوگئی، چناں چہ بعد میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فقہ کی بنیاد رکھنے میں زیادہ تر انہیں پر انحصار کیا، دنیا کے ہر ذی روح کے لیے موت مقدر ہے، یہ نابغہ روزگار بھی جب اپنے ایام پورے کرچکا، مرض الموت نے آلیا، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی عیادت کے لیے تشریف لائے۔

پوچھا کیا شکایت ہے؟ جواب دیا: انہیں خطاؤں کی شکایت ہے، دریافت کیا چاہتے کیا ہے؟

(بقیہ......صفحہ ۲۵ پر......)

ناموں کی اہمیت اور اس کے اثرات

محمد قمر الزمان ندوی
استاذ مدرسہ نور الاسلام کنڈہ پرتا پگڈھ

ناموں کی اہمیت اور اس کی حیثیت کسی قوم اور سوسائٹی میں بڑی بنیادی ہوتی ہے ان کے ذریعہ مذہب اور عقیدہ وفکر کا اظہار ہوتا ہے۔ مذہب اسلام نے اسی لئے مسلمانوں کے ناموں کے بارے میں بڑی واضح ہدایات دی ہیں۔ اور سماجی مسائل میں اس بابت حدیث میں جتنی اہمیت ملتی ہے شاید ہی کسی اور امر کی بابت اس قدر تفصیل و وضاحت ہو ذیل میں چند احادیث پیش کی جاتی ہیں اور ناموں کے بارے میں اسلامی تعلیمات بھی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا باپ پر بچے کا یہ حق ہے کہ اس کا اچھا نام رکھے۔ اور اس کو حسن ادب سے آراستہ کرے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی اپنے بچے کو سب سے پہلا تحفہ نام کا دیتا ہے۔ اسلئے چاہئے کہ اس کا نام اچھا رکھے۔ (حدیث)

حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن تم اپنے اور اپنے آباء کے ناموں کے ساتھ پکارے جاؤ گے۔ (یعنی پکارا جائے گا فلاں بن فلاں) لہٰذا تم اچھے نام رکھا کرو۔ (مسند احمد سنن ابی داؤد)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے ناموں میں اللہ کو سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔ (مسلم)

سنن ابی داؤد میں آپ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے۔ سموا باسماء الانبیاء یعنی پیغمبروں کے ناموں پر نام رکھو۔ چنانچہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری صاحبزادے کا نام بھی ابراہیم رکھا تھا۔

الغرض اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل اور آپ کے ارشادات سے بیشمار ہدایات اور رہنمائیاں ملتی ہیں مختصراً چند ہدایات پیش خدمت ہیں۔

آپ ہمیشہ اس بات پر زور دیتے تھے کہ اچھے اور بامعنیٰ نام رکھے جائیں اور خود آنحضرتؐ اچھے نام رکھنے کا اہتمام فرماتے اگر کسی کا نام مشرکانہ ہوتا تو آپ اس کا نام بدل کر ایسا نام رکھتے جس سے بجائے شرک کے توحید کا اظہار ہو۔

ایک صاحب رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے اس کا نام دریافت کیا انہوں نے کہا کہ عبدالعزیٰ ایک بت کا نام تھا۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے اپنا نام رکھتے تھے۔

آپ نے ان کا نام عبدالرحمٰن رکھا۔ اہل عرب جانوروں کی بھی پوجا کرتے تھے اس لئے بعض لوگ اپنا نام جانوروں کی نسبت سے بھی رکھا کرتے تھے۔ صحابی رسول عبدالرحمٰن بن سمرہ کا نام عبدکلاب تھا۔ آپؐ نے ان کا نام بھی عبدالرحمٰن رکھا۔ صرف مشرکانہ نام ہی نہیں بلکہ نام میں اگر معنوی اچھائی نہ پائی جاتی تھی یا نام مشتبہ ہوتا تو اسے بھی بدل دیا کرتے تھے حضرت زینب بنت ابی سلمہ کا نام برّہ تھا جس کے معنیٰ نیکوکار ہیں اللہ کے رسولؐ نے ان کا نام اس لئے تبدیل فرمادیا کہ اس میں اپنی تعریف کا پہلو نکلتا ہے۔ اس کی وجہ سے نفس کہیں دھوکا نہ دے اس لئے آپ نے ان کا نام زینب رکھا۔

اسی طرح ایک صحابی کا نام حزن تھا اللہ کے رسول نے ان کا نام محض اس لئے بدل دیا کہ اس کے معنیٰ سخت زمین کے ہیں اور ان کا نام حضور نے سہل رکھ دیا جس کے معنیٰ نرم ہونے کے ہیں۔

ایک خاتون کا نام عاصیہ تھا جس کے معنیٰ نافرمانی کے ہیں آپ نے ان کا نام جمیلہ رکھا۔ ایک صحابی رسول کا نام اصرم تھا جس کے معنیٰ کانٹے کے ہیں اللہ کے رسول نے فرمایا کہ تمہارا نام اصرم نہیں بلکہ زرعہ ہوگا۔ جس کے معنیٰ کھیتی اور جو دوستی کے ہوتے ہیں۔

حضرت علیؓ نے حضرت حسین کا نام حرب تجویز کیا تھا۔ جس کے معنیٰ لڑنے کے ہیں آپ نے ان کے نام کو تبدیل کر کے حسین رکھا۔

احادیث نبویہ کی روشنی میں ایسے نام رکھنا بھی مناسب نہیں ہے جس سے اللہ تعالیٰ کو موسوم کیا جاتا ہے ایک شخص آپ کی خدمت میں آئے جن کو لوگ ابوالحکم کہا کرتے تھے رسولؐ نے اس نام پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ حکم تو ذات خداوندی ہے پھر بیٹے کی طرف نسبت کرتے ہوئے ان کا نام ابوشریح تجویز فرمایا۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ترین اور بدترین انسان وہ ہوگا جو اپنا نام ملک الملوک (شہنشاہ) رکھے اس لئے کہ ملک الملوک صرف خدا ہی کی ذات ہے۔

ایسے ناموں کو بھی آپ نے ناپسند فرمایا ہے کہ اگر کبھی اس کو پکارا جائے اور ان کی غیر موجودگی کی اطلاع دی جائے تو بظاہر بدشگونی پیدا ہو۔ مثلاً کسی کا نام یسار ہو جس کے معنیٰ آسانی کے ہیں۔ اس کے بارے میں کہا جائے کہ یسار نہیں ہے تو اس کے بظاہر معنیٰ ہوں گے آسانی نہیں ہے۔ ایسے چار ناموں کا حدیث میں ذکر آیا ہے۔ یسار (آسانی) رباح (نفع) نجیح (کامیاب) (مستفاد حلال وحرام)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اچھے ناموں سے شگون لیتے تھے نام سن کر مسرت کا اظہار فرماتے اور اس کے اچھے اثرات کے متمنی ہوتے صلح حدیبیہ کے موقع پر معاملہ الجھا ہوا تھا قریش کی جانب سے ثالثی کے لئے جب سہیل آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کون ہیں بتایا گیا کہ سہیل ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عز وجل نے ہمارے معاملہ کو آسان کر دیا۔ اور پھر انہیں کے ذریعہ صلح حدیبیہ کا تاریخ ساز معاہدہ وجود میں آیا۔

ناموں کے سلسلے میں بطور خاص اس ہدایت کو سامنے رکھنا چاہئے۔ کہ ایسے نام ہرگز نہ رکھے جائیں جس میں شرک کا اظہار یا شرک کا شائبہ ہو جیسے عبدالنبی، عبدالمصطفیٰ، حسین بخش، سالار بخش، غلام غوث وغیرہ نیز ایسے ناموں سے بچنا ضروری ہے۔ جس میں غیر مسلموں سے مشابہت ہو اور ناموں میں مسلمانوں کا تشخص باقی نہ رہے جیسے جمشید۔ آفتاب، مہتاب، یاسمین۔ قیصر۔ پرویز وغیرہ۔

الغرض نام سے انسان کے ذہن میں خود اپنی شناخت اور پہچان ہوتی ہے۔ اگر کسی شخص کا نام انبیاء صحابہ اولیاء اور صالحین کے نام پر ہوگا تو اس کے ذہن میں یہ سوچ ضرور پیدا ہوگی کہ اس کی فکری نسبت ان بزرگوں سے ملتی ہے اور وہ اپنے عقیدہ وایمان میں ان اہل اللہ کا وارث ہے۔ لہٰذا ہم مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ ہم اپنی اولاد کے نام انبیاء کرام صحابہ عظام رضی اللہ عنہم اور سلف کے ناموں پر رکھیں اور ایسے ناموں کا انتخاب کریں کہ اول لمحہ سمجھ لیا جائے کہ یہ شخص مسلمان ہے۔

ناموں کی ایک قسم کنیت ہے کنیت اس نام کو کہتے ہیں جس میں اَب یا ابن کی طرف نسبت ہو جیسے ابوہریرہ، ابوسفیان، علی بن ابی طالب، ابوبکر، ابوعبیدہ، سلف صالحین میں اس قسم کے ناموں کا کثرت سے رواج تھا جیسے ابوالحسن، ابن عمر ابن مسعود ابن زبیر وغیرہ ایسے ناموں سے انسان کی شخصیت اور اس کے نسبت کا اظہار ہوتا ہے اس لئے ایسے نام رکھنے چاہئیں۔

ناموں کے سلسلے میں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ ناموں میں بگاڑ پیدا نہ ہو مثلاً کسی کا نام عبدالرحمٰن یا عبدالرزاق ہو تو اس کو صرف کریم یا رزاق کہا جائے یہ سخت گناہ ہے اس لئے کہ یہ اللہ کے نام ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص گونگا یا کانا ہے تو اس کو گونگا کانا نہیں کہنا چاہئے۔ کیونکہ قرآن نے برے القاب سے پکارنے سے منع کیا ہے۔ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ ساتویں دن تک بچے کا نام رکھ دینا چاہئے ویسے بہتر ہے کہ ولادت کے دن ہی نام رکھ دینا چاہئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے ابراہیم کا نام ولادت کے دن ہی رکھا تھا۔ ایک صحابی ابواسید اپنے صاحبزادے کی ولادت کے بعد خدمت والا میں لائے تو آپؐ نے اسی وقت ان کا نام منذر تجویز فرمایا۔ (مستفاد حلال وحرام)

اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو ان اسلامی ہدایات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

مولانا اشہد رشیدی

اصلاح نفس پر توجہ دیجئے

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم ثلث منجيات و ثلث مهلكات : اما المنجيات : فتقویٰ الله فی السر والعلانية، والقول بالحق فی الرضاء والسخط والقصد فی الغناء والفقر، اما المهلكات فهو متبع و شح مطاعٌ و اعجاب المرء بنفسه و هی اشدهن۔ (شعب الايمان، مشكوٰة)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تین چیزیں نجات دلانے والی ہیں اور تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں، نجات دلانے والی چیزیں یہ ہیں: اللہ رب العزت سے جلوت و خلوت دونوں میں ڈرنا، خوشی اور غمی دونوں حالتوں میں زبان سے صحیح اور حق بات کا نکالنا، تونگری اور تنگ دستی دونوں حالتوں میں میانہ روی اختیار کرنا اور ہلاک کرنے والی چیزیں بھی تین ہیں، خواہش نفس کی پیروی کرنا۔ لالچ وطمع کے پیچھے چلنا اور اپنی ذات کو اچھا سمجھنا یعنی اپنے تئیں خوش فہمی میں مبتلا ہونا۔ یہ آخری چیز دوسروں کے مقابلے میں زیادہ مہلک ہے۔

تشریح: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امت کو مختلف انداز واسلوب سے راہ نجات پر گامزن کرنے کی کوشش فرماتے رہے ہیں کبھی آپ ہلاکت میں مبتلا کرنے والے کاموں کی نشاندہی فرماتے ہیں تو کبھی راہ نجات تک پہنچانے والے امور کی جانب امت کو متوجہ فرماتے ہیں درج بالا روایت بھی ایسی ہی مفید تعلیمات پر مشتمل ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجات تک پہنچانے والے امور بیان کرنے کے بعد ان کو اپنانے کی دعوت دی ہے اور اس کے بعد مہلک چیزوں کا تذکرہ فرما کر ان سے بچنے کی تلقین کی ہے گویا یہ روایت نہایت جامع اور نفع بخش نصیحتوں پر مشتمل ہے جس کو اپنا کر انسان کامیاب زندگی گزار سکتا ہے۔ ذیل میں دنیا وآخرت دونوں جہاں میں نجات تک پہنچانے والی تین چیزوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) فتقوی الله فی السر و العلانيه: انسان اگر نجات چاہتا ہے تو اس کو سب سے پہلے یہ کام کرنا ہوگا کہ اپنے دل کو خوف خدا سے مزین کرے تنہائیوں میں ہو یا خلق خدا کے سامنے، ہر موقع پر اللہ سے ڈرتا ہو، ناجائز اور حرام امور سے اجتناب کرتا ہو گھر کے اندر ہو یا گھر کے باہر ہو دوستوں میں ہو یا اجنبیوں میں ہو اپنوں میں ہو یا غیروں میں ہو کسی بھی جگہ اور کسی بھی حالت میں جان بوجھ کر شریعت محمدیہ کی مخالفت نہ کرے احکام خداوندی کی خلاف ورزی سے ہر حال میں اپنے آپ کو بچائے یعنی اس کا ظاہر و باطن یکساں ہو، اور قول وعمل میں موافقت ہو جو کہتا ہو وہی کرتا ہو۔

آج کل کردار کی خرابی اپنی انتہا کو پہنچ گئی ہے انسان ایک دوسرے کو دھوکہ دینے اور عیاری و مکاری کا اظہار کرنے میں اتنا بیباک ہو گیا ہے کہ خدائے وحدہ لاشریک کو بھی دھوکہ دینے کی ناکام کوشش کرنے لگتا ہے۔ چنانچہ اس کے دل میں کچھ ہوتا ہے اور زبان پر کچھ وہ اندر سے کچھ ہوتا ہے اور باہر سے کچھ اور گویا وہ اس خدا کو بھلا بیٹھا ہے۔ جو اس کی ہر حرکت اور عمل سے پوری طرح واقف ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم درج بالا روایت میں نجات تک پہنچانے والا سب سے اہم امر یہ ذکر فرماتے ہیں کہ اپنے ظاہر و باطن میں یکسانیت پیدا کرتے ہوئے ہر موقع پر شریعت کی پاسداری کی جائے، اور دل کو خوف خدا سے مزین رکھا جائے اور دل و دماغ میں اس عقیدے اور یقین کو مضبوطی کے ساتھ بیٹھا لیا جائے کہ ہمارے ہر چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے قول وعمل سے اللہ رب العزت پوری طرح واقف ہے جس کے دل میں تقویٰ کی یہ صفت پیدا ہو جائے گی اس کیلئے گناہوں سے بچنا آسان ہو جائے گا اللہ رب العزت تمام مسلمانوں کو اس صفت کا حامل بنائیں۔ (آمین)

(۲) والقول بالحق فی الرضاء و السخط: نجات تک پہنچانے والی دوسری چیز کا تذکرہ کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ خوشی اور غمی انسان کی زندگی کے لازمی اجزاء ہیں جن سے وقتاً فوقتاً ہر ایک کا واسطہ پڑتا رہتا ہے کامیاب انسان وہ ہے جو خوشی میں اترانے کے بجائے اللہ کا شکر ادا کرے اور غم کے موقع پر آہ وبکا اور نالہ وفریاد کرنے کے بجائے صبر و ضبط سے کام لے، جو شخص غم واندوہ اور خوشی و مسرت کے مواقع پر اپنے آپ کو کنٹرول میں رکھے گا اپنی زبان کی حفاظت کرے گا اور صرف کلمہ حق زبان سے نکالے گا تو یقیناً اللہ رب العزت اس کو نجات سے ہمکنار کرے گا، اور اگر خوشی میں مست ہو کر شریعت کی دھجیاں اڑانے لگے کسی عہدے کے مل جانے پر یا مال و دولت ہاتھ میں آ جانے کی صورت میں زبان پر کنٹرول کھو بیٹھے مثلاً فریق کو دھمکیاں دینے لگے یا بڑے بول بولنے لگے، کبر وغرور کا اظہار کرنے لگے۔ اسی طرح غم و اندوہ کے موقع پر اگر کوئی شخص بین کرنے لگے۔ نعوذ باللہ اللہ رب العزت پر اعتراضات کرنے لگے اور حرف شکایت زبان پر لے آئے تو نجات کی راہیں مسدود ہو جائیں گی اور انسان بربادی کی دل دل میں پھنس جائے گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس روایت کے ذریعہ امت کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ نجات اسی صورت میں ممکن ہے کہ انسان خواہ خوشی کی حالت میں ہو یا غم سے دوچار ہو رہا ہو، بہر صورت اس کو اپنی زبان پر کنٹرول رکھتے ہوئے صرف حق اور درست بات ہی منہ سے نکالنی چاہئے۔

(۳) والقصد فی الغناء و الفقر: نجات دلانے والی تیسری چیز کا تذکرہ کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ تنگ دستی اور تونگری سے انسان کا واسطہ پڑتا ہی رہتا ہے کبھی خوشحالی میسر آ جاتی ہے اور کبھی ہاتھ تنگ ہو جاتا ہے ایسی صورت میں کامیاب انسان وہ ہے جو اپنی زندگی کو میانہ روی کے ساتھ گزارنے کا عادی ہو وہ نہ تو خوشحالی کے وقت عیش وعشرت اور اسراف بیجا کرتا ہو، اور نہ ہی تنگ دستی کے زمانے میں حد سے زیادہ بخل اور کنجوسی سے کام لیتا ہو، بلکہ اس کا انداز رہائش سادہ اور درمیانی درجہ کا ہو! اس کی برکت سے وہ زندگی میں آنے والے نشیب وفراز کو بآسانی جھیل لے گا، اور کسی حالت کا سامنا کرنے میں اسے کوئی خاص دشواری نہیں آئے گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اور ان لوگوں کے لئے نہایت اہم ہے جو مالی فراوانی کے زمانہ میں اپنے خرچے بہت بڑھا لیتے ہیں اور پھر نامساعد حالات پیدا ہونے کی صورت میں پریشانیوں سے دوچار ہوتے ہیں، اگر ایسے لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو اپنے لئے مشعل راہ بنا لیں تو بہت سی دشواریوں سے نجات پالیں گے۔

آگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان تین چیزوں کا تذکرہ فرماتے ہیں جو انسان کو ہلاکت اور بربادی میں مبتلا کرتی ہیں۔

(۱) فهوی متبع: وہ انسان جو اپنی خواہش نفس کی پیروی کرنے لگے من چاہے کاموں کو انجام دینے لگے اور جو دل میں آئے وہی کرنے لگے تو اس کو ہلاکت اور بربادی سے کوئی چیز بچا نہیں سکتی۔ کیونکہ اس کا اپنی خواہشات پر چلنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے نزدیک خدا اور رسول کے احکامات کی کوئی حیثیت نہیں ہے کتاب و سنت کو گویا وہ مانتا ہی نہیں اس نے اپنے نفس کو ہی خدا بنا رکھا ہے اسی لئے تو وہ ہمہ وقت اس کی اطاعت اور خوشنودی میں لگا رہتا ہے ایسا شخص یقیناً ہلاکت اور بربادی میں مبتلا ہو کر ہی رہے گا۔

(۲) وشح مطاع: ہلاکت میں مبتلا کرنے والی دوسری چیز یہ ہے کہ انسان حرص وطمع کے راستہ پر چل پڑے مال و دولت کی لالچ منصب وعہدے کی لالچ طاقت وقوت کی لالچ اس کو چین سے نہ بیٹھنے دے

(بقیہ...... صفحہ ۲۹ پر......)

ایک باندی کی پکار پر معتصم کی یلغار

مشہور عباسی خلیفہ معتصم باللہ (۸۳۳-۴۳) کے دربار خلافت میں ایک شخص کھڑا ہوا۔ عرض کی۔ امیر المومنین میں عموریہ (تاریخی شہر عموریہ کے کھنڈر انقرہ (ترکی) کے جنوبی مغرب میں "اسرقلعہ" کے نام سے مشہور ہیں۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نصیبین سے آکر عموریہ کے اسقف کے پاس مقیم رہے تھے۔ عبدالرحمن بن خالد بن ولید نے ۶۶۶ء میں عموریہ کو اطاعت پر مجبور کیا مگر پھر عیسائیوں نے اسے چھین لیا۔ آخر کار عموریہ کو عباسی خلیفہ معتصم باللہ کے سپہ سالار افشین نے ۸۳۸ء میں فتح کیا۔ ۹۳۱ء میں امیر طرسوس ثمل نے اسے نذر آتش کردیا۔ (اٹلس سیرت نبوی (اردو میں) ص ۱۸۰ بحوالہ اردو دارہ معارف اسلامیہ: ۲/۱۴) سے آرہا ہوں۔ میں نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ اس موٹے عیسائی نے ایک مسلمان لونڈی کے چہرے پر زناٹے دار تھپڑ رسید کیا۔ لونڈی نے بے بسی کے عالم میں آہ بھری اور بے اختیار اس کے منہ سے نکلا:

"وَامُعْتَصِمَاهُ!"

"ہائے خلیفہ معتصم تم کہاں ہو!"

اس موٹے عیسائی نے لونڈی کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا:

"وَمَا يَقْدِرُ عَلَيْهِ الْمُعْتَصِمُ! يَجِئُ عَلَى اَبْلَقٍ وَيَنْصُرُكِ؟"

"معتصم باللہ اس پکار کا کیوں کر جواب دے سکتا ہے! کیا وہ چتکبرے گھوڑے پر سوار ہو کر تیرے پاس آئے گا اور تیری مدد کرے گا؟"

پھر اس نے لونڈی کے رخسار پر کھینچ کر ایک دوسرا تھپڑ رسید کردیا جس سے وہ تلملا اٹھی۔

یہ سن کر خلیفہ معتصم باللہ نے اس آدمی سے دریافت کیا: "عموریہ کس سمت میں ہے؟"

اس آدمی نے عموریہ کی سمت اشارہ کرکے بتلایا کہ عموریہ اس طرف ہے۔

خلیفہ معتصم باللہ نے اپنا رخ عموریہ کی سمت موڑا اور کہا:

"لبیک، ایتها الجاریة! لبیک، هذا المعتصم بالله اجابك"

"میں تیری آواز پر حاضر ہوں اے لونڈی، معتصم تیری پکار کا جواب دینے آرہا ہے۔"

پھر خلیفہ نے عموریہ کے لئے بارہ ہزار چتکبرے گھوڑے تیار کرائے اور ایک لشکر جرار لے کر عموریہ پہنچا اور اس کا محاصرہ کرلیا۔ جب اس محاصرہ کی مدت طول پکڑ گئی تو اس نے مشیروں سے مشورہ طلب کیا۔ انہوں نے کہا: "ہمارے خیال کے مطابق آپ عموریہ کو انگور اور انجیر پکنے کے زمانے ہی میں فتح کرسکتے ہیں۔" چونکہ اس فصل کے پکنے کے لئے ایک لمبا وقت درکار تھا، اس لئے خلیفہ پر یہ مشورہ بڑا گراں گذرا۔

خلیفہ اسی رات اپنے خاص سپاہیوں کے ہمراہ چپکے چپکے لشکر کے معائنے کے لئے نکلا تاکہ مجاہدین کی باتیں سن سکے کہ اس بارے میں ان کی چہ میگوئیاں کس نتیجے پر پہنچنے والی ہیں۔ خلیفہ کا گذر ایک خیمے کے پاس سے ہوا جس میں ایک لوہار گھوڑے کے لئے نعلیں تیار کررہا تھا۔ بھٹی گرم تھی۔ وہ گرم گرم سرخ لوہے کی نعل نکالتا تو اس کے سامنے ایک گنجا اور بدصورت غلام بڑی تیزی سے ہتھوڑا چلاتا جاتا۔ لوہار بڑی مہارت سے نعل کو الٹتا پلٹتا اور اسے پانی سے بھرے برتن میں ڈالتا جاتا۔ اچانک غلام نے بڑے زور سے ہتھوڑا مارا اور کہنے لگا:

"فی راس المعتصم۔"

"یہ معتصم کے سر پر۔"

لوہار نے غلام سے کہا: "تم نے بڑا برا کلمہ کہا ہے۔ اپنی اوقات میں رہو۔ تمہیں اس بات کا کوئی حق نہیں کہ خلیفہ کے بارے میں ایسا کلمہ کہو۔"

غلام کہنے لگا: "تمہاری بات بالکل درست ہے مگر ہمارا خلیفہ بالکل عقل کا کورا ہے۔ اس کے پاس اتنی فوج ہے۔ تمام تر قوت اور طاقت ہونے کے باوجود حملہ میں تاخیر کرنا کسی صورت مناسب نہیں۔ اللہ کی قسم! اگر خلیفہ مجھے یہ ذمہ داری سونپ دیتا تو میں کل کا دن عموریہ شہر میں گذارتا۔"

لوہار اور اس کے شاگرد کا یہ کلام سن کر خلیفہ معتصم باللہ کو بڑا تعجب ہوا۔ پھر اس نے چند سپاہیوں کو اس خیمے پر نظر رکھنے کا حکم دیا اور اپنے خیمے کی طرف واپس ہوگیا۔ صبح ہوئی تو ان سپاہیوں نے اس ہتھوڑا مارنے والے غلام کو خلیفہ معتصم باللہ کی خدمت میں حاضر کیا۔

خلیفہ نے پوچھا:

"رات جو باتیں میں نے سنی ہیں، ان باتوں کے کرنے کی تمہیں جرأت کیسے ہوئی؟"

غلام نے جواب دیا: "آپ نے جو کچھ سنا ہے، وہ سچ ہے۔ اگر آپ جنگ میں مجھے کمانڈر بنادیں تو مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ عموریہ کو میرے ہاتھوں فتح کروادے گا۔"

خلیفہ نے فرمایا: "جاؤ میں نے فوج کی کمان تمہیں سونپ دی۔"

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے عموریہ کو اس غلام کے ہاتھوں فتح کرادیا۔ پھر معتصم باللہ شہر کے اندر داخل ہوا۔ اب اس نے فوراً اس آدمی کو تلاش کیا جو لونڈی کے متعلق اس کے دربار تک شکایت اور پیغام لے گیا تھا اور اس سے فرمایا: جہاں تو نے اس لونڈی کو دیکھا تھا وہاں مجھے لے چلو۔ وہ آدمی خلیفہ کو وہاں لے گیا اور لونڈی کو اس کے گھر سے بلاکر خلیفہ کی خدمت میں حاضر کیا۔ اس وقت خلیفہ نے لونڈی سے کہا:

"یا جاریہ! ھل اجابك المعتصم؟"

"لڑکی! بتا معتصم تیری مدد کو پہنچا یا نہیں؟"

اس لڑکی نے اثبات میں اپنا سر ہلادیا اور اب تلاش اس موٹے عیسائی کی ہوئی جس نے اس لڑکی کو تھپڑ رسید کیا تھا۔ اس کو پکڑ کر لایا گیا اور اس لڑکی سے کہا گیا کہ آج وقت ہے تم اس سے اپنا بدلہ لے لو (دیکھئے: محاضرات الابرار: ۶۳/۲، قصص العرب: ۴۴۹/۳)۔

●●

بقیہ......راز دار نبوت

جواب ملا: اللہ کی رحمت، عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تمہیں وہ وظائف نہ دوں جو کئی سالوں سے آپ نے وصول نہیں کیے؟ جواب ملا: مجھے ان کی حاجت نہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ گویا ہوئے "تمہارے ان بچوں کے لیے جنہیں چھوڑ کر جارہے ہو مجھے خوف ہے کہیں فقر وفاقہ کا شکار نہ ہوجائیں۔"

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں نے ان سے کہہ رکھا ہے کہ ہر رات سونے سے قبل سورہ واقعہ پڑھ لیا کریں۔"

کیوں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ: "جو شخص ہر رات سورۂ واقعہ پڑھ لیا کرے، وہ کبھی فقر وفاقہ کا شکار نہیں ہوگا۔"

جب رات ہوئی تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے مالک حقیقی سے جاملے، اس حال میں کہ زبان پر اللہ کا ذکر جاری تھا اور قرآنی آیات پڑھ رہے تھے:

"انا للہ وانا الیہ راجعون"

سب کہاں کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے

+++

دلچسپ اور سبق آموز واقعات

شیطان نے قے کردی

حضرت امیہ بن مخشی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرماتھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص کھانا کھارہے تھے، انہوں نے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پڑھے بغیر کھانا شروع کردیا تھا، یہاں تک کہ سارا کھانا کھالیا۔ صرف ایک لقمہ باقی رہ گیا، جب وہ شخص اس آخری لقمے کو منہ کی طرف لے جانے لگے تو اس وقت انہیں یاد آیا کہ میں نے کھانا شروع کرنے سے پہلے بے دھیانی کی وجہ سے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" نہیں پڑھی تھی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ جب آدمی کھانا کھاتے وقت "بسم اللہ" پڑھنا بھول جائے تو کھانے کے دوران جب اس کو "بسم اللہ" پڑھنا یاد آجائے اس وقت وہ "بسم اللہ اولہ و آخرہ" پڑھ لے، اب جب انہوں نے یہ دعا پڑھی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھ کر مسکرائے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "جس وقت یہ کھانا کھارہے تھے تو شیطان بھی ان کے ساتھ کھارہا تھا، لیکن جب انہوں نے اللہ کا نام لیا اور "بسم اللہ اولہ و آخرہ" پڑھ لیا تو شیطان نے جو کچھ کھایا تھا اس کی قے (الٹی) کردی اور اس کھانے میں اس کا جو حصہ تھا اس ایک چھوٹے سے جملے کی وجہ سے وہ ختم ہوگیا۔" اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر مسکرائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ہمیں سکھائی کہ آدمی اگر کھانا شروع کرنے سے پہلے "بسم اللہ" پڑھنا بھول جائے تو جب یاد آجائے اس وقت "بسم اللہ اولہ و آخرہ" پڑھ لے، اس کی وجہ سے اس کھانے کی بے برکتی ختم ہوجائے گی اور شیطان کا بھی اس کھانے میں کچھ حصہ نہیں ہوگا۔

(ابوداؤد، کتاب الاطعمۃ، باب التسمیہ علی الطعام، حدیث نمبر: ۳۷۶۸، بحوالہ اصلاحی خطبات: ۵/۱۴۴)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھانا شروع کرنے سے پہلے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پڑھ لینا چاہئے اور کہنے کو تو یہ معمولی بات ہے کہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پڑھ کر کھانا شروع کردیا، لیکن اگر غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ اتنی عظیم الشان عبادت ہے کہ اس کی وجہ سے ایک طرف تو یہ کھانا کھانا عبادت اور ثواب کا ذریعہ بن جاتا ہے اور دوسری طرف اگر آدمی ذرا دھیان سے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پڑھ لے تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیتا ہے، اس لئے کہ یہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پڑھنا حقیقت میں انسان کو اس طرف متوجہ کررہا ہے کہ جو کھانا میرے سامنے اس وقت موجود ہے یہ میری طاقت اور عقل کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ کسی قدرت والی ذات کا دیا ہوا ہے، میرے بس میں یہ بات نہیں تھی کہ میں اس کھانے کا بندوبست کرلیتا، اس کے ذریعہ اپنی ضرورت پوری کرلیتا اور اپنی بھوک مٹادیتا۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور اس کا کرم ہے کہ اس نے مجھے یہ کھانا عطا فرمادیا۔

اور اصل میں یہ "بسم اللہ" کا پڑھنا اس طرف توجہ دلاتا ہے کہ ذرا غور تو کرو کہ ایک نوالہ جو ہم نے منہ میں رکھا اور چند لمحوں میں ہم نے حلق سے نیچے اتارلیا۔ اس ایک نوالے کو ہمارے منہ تک پہنچانے کے لئے کائنات کی کتنی طاقتیں استعمال ہوئیں۔ ذرا سوچو تو سہی کہ روٹی کا یہ ایک ٹکڑا کس طرح ہم تک پہنچا؟ کہاں کس کسان نے بیج بونے سے پہلے زمین کو نرم اور برابر کرنے کے لئے کتنی مدت تک بیلوں کے ذریعے ہل چلایا؟

اور پھر اس زمین کے اندر بیج ڈالا، پھر اس کو پانی دیا، پھر اس کے اوپر مسلسل ہوائیں چلیں، سورج نے اس کے اوپر اپنی روشنی کی کرنیں ڈالیں اور پھر اللہ تعالیٰ نے بادل بھیج کر بارشیں برسائیں۔

اس کے بعد جاکر باریک اور کمزور سی ایک ننی چھوٹی پتی ظاہر ہوئی اور وہ ننی چھوٹی پتی اتنی کمزور کہ اگر ایک چھوٹا سا بچہ اس کو اپنے ہاتھ سے دبادے تو وہ ٹوٹ جائے، لیکن زمین جیسی سخت چیز کا پیٹ پھاڑ کر اس میں سے ظاہر ہورہی ہے، پھر اس ننی چھوٹی پتی سے پودا بنا، پھر پودے سے درخت بنا، پھر اس کے اوپر گچھے ظاہر ہوئے، پھر اس پر غلے کے دانے پیدا ہوئے اور کتنے جانوروں نے اس پر چل کر اس کا بھوسہ الگ اور دانہ الگ کیا، پھر وہاں سے کتنے شہروں میں ہوتا ہمارے شہر میں پہنچا، پھر کس نے اس گندم کو چکی میں پیس کر آٹا بنایا اور پھر ہم اس کو خرید کر اپنے گھر لائے اور کس نے اس آٹے کو گوندھ کر روٹی پکائی؟ اور جب وہ روٹی ہمارے سامنے آئی تو ہم نے چند لمحوں کے اندر منہ میں ڈال کر اس کو حلق سے نیچے اتارلیا۔

کیا یہ ہماری قدرت میں تھا کہ ہم کائنات کی ان ساری طاقتوں کو جمع کرکے روٹی کے ایک نوالے کو تیار کرکے حلق سے نیچے اتار لیتے؟ کیا آسمان سے بارش برسانا ہماری قدرت میں تھا؟ کیا سورج کی کرنوں کو پہنچانا ہماری قدرت میں تھا؟ کیا ہماری قدرت میں یہ تھا کہ ہم اس کمزور ننی چھوٹی پتی کو زمین سے نکالتے؟ یقیناً یہ سب اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے کرتے ہیں، اس لئے ہمیں چاہئے کہ منہ میں ہر نوالہ ڈالنے سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ لیا کریں اور اسی طرح ہر کام شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ضرور پڑھیں اور دل میں یہ دھیان رکھیں کہ ہمیں ملنے والی ہر نعمت اس رحمٰن اور رحیم ہی کی مہربانی ہے۔

ایک ہی در

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پوتے سالم رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ خانہ کعبہ میں تشریف لائے، مطاف (خانہ کعبہ کے آس پاس کا وہ حصہ جس میں خانہ کعبہ کا طواف کیا جاتا ہے) میں آپؒ کی ملاقات وقت کے باشادہ ہشام بن عبدالملک سے ہوئی، ہشام نے سلام کے بعد عرض کیا کہ حضرت! کوئی ضرورت ہو تو حکم فرمایئے تاکہ میں آپ کی خدمت کرسکوں۔ آپؒ نے فرمایا: "ہشام! مجھے بیت اللہ شریف کے سامنے کھڑے ہوکر اللہ کے سوا کسی اور سے ضرورت بیان کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ اللہ کے ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ یہاں صرف اسی کے سامنے ہاتھ پھیلایا جائے۔" ہشام لاجواب ہوکر خاموش ہوگیا۔ تقدیر سے جب آپؒ حرم شریف سے باہر نکلے تو ہشام بھی عین اسی وقت باہر نکلا۔ آپؒ کو دیکھ کر قریب آیا اور کہنے لگا کہ: حضرت! "اب فرمایئے کہ میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں؟"

آپ نے فرمایا: ہشام! بتاؤ میں تم سے کیا مانگوں دین یا دنیا؟

ہشام جانتا تھا کہ دین کے میدان میں تو آپؒ کا شمار وقت کے بزرگ ترین لوگوں میں ہوتا ہے، لہٰذا کہنے لگا: حضرت! آپ مجھ سے دنیا مانگیں۔

آپؒ نے فوراً جواب دیا کہ: "دنیا تو میں نے کبھی خالق و مالک سے بھی نہیں مانگی بھلا تم سے کیا مانگوں گا؟" یہ سنتے ہی ہشام حیران ہوگیا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے بھی ہیں کہ وہ اپنی ہر حاجت اور ضرورت صرف اور صرف اللہ ہی کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

سچ ہے کہ جن حضرات کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں فریاد پیش کرنے کے آداب آتے ہوں وہ دنیا داروں کے سامنے سوال کے لئے بھی ہاتھ نہیں پھیلاتے۔

ہمیں بھی ان بزرگوں کے طریقے پر چلنا چاہئے اور جب ہمیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو سب سے پہلے نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں۔

ڈاکو کی بات

حضرت امام غزالیؒ ایک بہت بڑے بزرگ اور عالم دین گزرے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے دین کا بہت کام لیا۔ امام غزالیؒ ایران کے

ایک شہر طوس کے رہنے والے تھے۔ طوس میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ "عراق روانہ ہوئے، تاکہ وہاں کے مدرسہ نظامیہ میں داخل ہوکر اعلیٰ تعلیم حاصل کرسکیں۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک قافلے کے ساتھ سفر کررہے تھے کہ ایک ویران جگہ پر ڈاکوؤں نے قافلے پر حملہ کردیا اور قافلے والوں کو لوٹنے لگے۔ امام غزالیؒ کے پاس مال واسباب تو کچھ تھا نہیں، ہاں ایک چیز ایسی تھی جسے وہ بہت قیمتی سمجھتے تھے۔ یہ ان کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب تھی۔ اس کتاب میں انہوں نے اپنے استاد کی پڑھائی ہوئی باتوں کو لکھ رکھا تھا، اس لئے وہ اس کو بہت قیمتی سمجھتے تھے، جب ڈاکوؤں نے امام غزالیؒ سے یہ کتاب چھین لی تو انہیں بہت افسوس ہوا، وہ اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ڈاکوؤں کے سردار کے پاس گئے اور کہا:

"آپ کے آدمیوں نے میری کتاب چھین لی ہے۔ آپ کے لئے تو وہ کتاب کوئی قیمت نہیں رکھتی مگر میرے لئے بہت قیمتی ہے، میں نے اپنے استاد سے جو کچھ پڑھا ہے وہ سب اسی میں لکھ رکھا ہے۔ آپ یہ کتاب ہمیں واپس کردیں تو بہت مہربانی ہوگی۔"

ڈاکوؤں کا سردار امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات سن کر ہنسا اور کہنے لگا:

"عالم کا علم تو اس کے دماغ میں ہوتا ہے، تم کیسے عالم ہو کہ تم سے کاغذ کے چند ٹکڑے چھین لئے گئے تو تمہارے پاس کچھ بھی نہیں رہا؟"

یہ کہہ کر اس نے اپنے ساتھیوں کو کتاب واپس کرنے کا حکم دے دیا۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دل پر ڈاکو کی بات نے بہت اثر کیا اور انہوں نے اسی دن سے اس کتاب کو یاد کرنا شروع کردیا اور تھوڑے ہی دنوں میں ساری کتاب زبانی یاد کرلی۔

ہمیں بھی کتاب کی حد تک علم نہیں رکھنا چاہئے، بلکہ یاد کرلینا چاہئے یا کتاب کے مضامین کا جو خلاصہ ہے اسے خوب اچھی طرح ذہن اور دل میں بٹھالینا چاہئے۔ اس سے دل میں بھی نیکی کے خیالات پیدا ہوتے ہیں، دل میں اللہ کی یاد قائم رہتی ہے اور انسان صرف کتاب کا محتاج نہیں رہتا۔

اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سفر پر جارہے ہیں، جاتے جاتے سفر کے دوران کچھ بھوک لگی، وہ ہوٹلوں، ریسٹورینٹوں کا زمانہ تو تھا نہیں کہ بھوک لگی تو کسی ہوٹل میں گھس گئے اور وہاں جاکر کھانا کھالیا۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے تلاش کیا کہ آس پاس کوئی بستی ہو، لیکن وہاں کوئی بستی بھی نہیں۔ تلاش کرتے کرتے دیکھا کہ ایک بکریوں کا ریوڑ چر رہا ہے، خیال ہوا کہ اس بکری والے سے کچھ دودھ لے کر پی لیں، تاکہ بھوک مٹ جائے، تو دیکھا کہ چرواہا بکریاں چرا رہا ہے، اس سے جاکر کہا کہ میں مسافر ہوں اور مجھے بھوک لگی ہے، مجھے ایک بکری کا دودھ نکال کردو تو میں پی لوں اور اس کی جو قیمت تم چاہو وہ میں تم کو ادا کردوں۔

چرواہے نے کہا کہ جناب! میں ضرور آپ کو دودھ دے دیتا، لیکن یہ بکریاں میری نہیں ہیں، میں تو ملازم ہوں، نوکر ہوں، بکریاں چرانے کے لئے مجھے میرے مالک نے رکھا ہے، اور جب تک اس سے اجازت نہ لے لوں اس وقت تک مجھے آپ کو دودھ دینے کا حق نہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ لوگوں کو آزمایا بھی کرتے تھے۔ آپ نے اس سے کہا کہ میں تمہیں تمہارے فائدے کی ایک بات بتاتا ہوں، اگر تم اس پر عمل کرلو۔ پوچھا: کیا؟ آپ نے فرمایا: ایسا کرو کہ ان بکریوں میں سے ایک بکری میرے ہاتھ بیچ دو، پیسے میں تمہیں ابھی دیتا ہوں۔ میرا فائدہ تو یہ ہوگا کہ مجھے دودھ مل جائے گا۔ ضرورت ہوگی تو میں اسے کاٹ کر گوشت بھی کھالوں گا اور پھر مالک جب تم سے پوچھے ایک بکری کہاں گئی؟ تو کہہ دینا کہ بھیڑیا کھا گیا اور اس کی وجہ سے وہ تباہ ہوگئی اور بھیڑیا تو بکریوں کو کھاتا ہی رہتا ہے۔ کہاں مالک تمہاری تحقیق کرتا پھرے گا، بھیڑئیے نے کھایا یا نہیں کھایا، تم ان پیسوں کو اپنی جیب میں رکھ کر ان کو اپنی ضروریات میں استعمال کرنا۔ ایسا کرلو، اس

میں تمہارا بھی فائدہ میرا بھی فائدہ۔

اس چرواہے نے یہ بات سنی اور سنتے ہی بے ساختہ جو کلمہ اس کی زبان سے نکلا وہ یہ تھا: "یا ابن الملک؟ فاین اللہ؟ شہزادے! تم مجھ سے یہ کہتے ہو کہ میں مالک سے جاکر جھوٹ بول دوں اور یہ کہہ دوں کہ بکری کو بھیڑیا کھا گیا، تو اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ بیشک میرا مالک مجھے نہیں دیکھ رہا ہے، اس کے پاس جاکر میں کیا جواب دوں گا۔ مالک کو تو خاموش کرسکتا ہوں، لیکن مالک کے مالک کو کیسے خاموش کروں۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تک تجھ جیسے انسان اس امت کے اندر موجود ہیں اس وقت تک اس امت کے اوپر اچھائی اور کامیابی غالب رہے گی، جب تک اللہ کے سامنے جواب دہی کا احساس موجود ہے اس وقت تک دنیا میں امن وسکون باقی رہے گا اور جب یہ ختم ہوگیا تو اس وقت انسان انسان نہ رہے گا، بلکہ بھیڑیا بن جائے گا۔

یہ ہے وہ فکر آخرت کی جنگل میں ہوتے ہوئے اور بکریاں چراتے ہوئے چرواہے کے دل و دماغ پر بھی یہ دھیان (خیال) جما ہوا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے اور آخرت کی زندگی بھی درست کرنی ہے۔ اگر غلط کام کرکے تھوڑے سے پیسے میرے ہاتھ آ بھی گئے تو دنیا کا کچھ فائدہ شاید ہوجائے لیکن آخرت میرے ہاتھ سے جاتی رہے گی۔ (اصلاح خطبات جلد دوم)

اس واقعہ سے ہمیں یہ ہدایت ملتی ہے کہ ہمیں بھی یہ دھیان اور خیال ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر وقت دیکھ رہا ہے، نیز دنیا کے چند پیسوں یا اور کسی طرح کے فائدے کے لئے ہمیں اپنی آخرت خراب نہیں کرنی چاہئے اور بغیر کسی کی اجازت کے اس کی چیز ہرگز نہ لیں صرف اس دھیان کی وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں۔

●●

بقیہ ...... اصلاح نفس پر توجہ دیجئے

تھوڑے تھوڑے منافع اور فوائد کے لئے وہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے لگے اور طرح طرح کی ذلت وخواری کو قبول کرکے دست سوال دراز کرنے میں اور لالچی طبیعت کو سکون پہنچانے میں اسے کوئی شرمندگی اور جھجک نہ ہو یہ کام وہی شخص کرسکتا ہے جو تقدیر پر ایمان نہ رکھتا ہو اور یہ تسلیم نہ کرتا ہو کہ جو تقدیروں میں لکھا ہے وہ ہر حال میں مل کر رہے گا اور جتنا مقدر میں ہے اس میں کسی طرح کی کمی واقع نہ ہوسکتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ بتادینا چاہتے ہیں کہ جس شخص کی طبیعت میں اس درجہ لالچ اور طمع ہوگی کہ وہ ہمہ وقت اس کو پورا کرنے کی ادھیڑ بن میں لگا رہے تو ایسے شخص کو کوئی چیز ہلاکت اور بربادی سے نہیں بچاسکتی۔

(۳) واعجاب المرء بنفسه:

ہلاکت میں مبتلا کرنے والی تیسری چیز کا تذکرہ کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ انسان کا اپنے آپ کو بہتر سمجھنا اور دوسروں کے مقابلے میں اپنے سلسلہ میں خوش فہمی میں مبتلا ہونا ہلاکت میں مبتلا کرنے والی چیز ہے کیونکہ یہ کام وہی شخص کرسکتا ہے جو غرور وتکبر کی نحوست میں گرفتار ہو دوسروں کو حقیر اور بے حیثیت سمجھتا ہو اس کے ذہن سے بڑے چھوٹے عالم وجاہل اچھے برے عزیز واقارب، اور اجنبی کا فرق مٹ گیا ہو، وہ تو صرف اپنے آپ کو قابل، عقل مند، لائق عزوشرف گردانتا ہو، بقیہ کسی کی کوئی قدر و قیمت اس کی نظر میں نہ ہو ایسے لوگوں کے سلسلے میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

فبئس مثوى المتكبرين: تکبر کرنے والوں کے لئے آخرت میں برا ٹھکانہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہلاکت میں مبتلا کردینے والی اس تیسرے چیز کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ کبر وغرور اور خوش فہمی کی بیماری ہلاکت کرنے والی چیزوں میں سے سب سے زیادہ خطرناک عیب ہے جس میں مبتلا ہونے والا شخص دنیا و آخرت دونوں جہاں میں اللہ کے غضب کا شکار ہوگا۔ اللہ رب العزت تمام امت مسلمہ کو اپنے نبی کے فرامین پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)۔

مفتی راشد حسین ندوی

سوال وجواب

س : زید عالم ہے مگر اس کے گھر میں دو نمبر کا کام جیسے نشیلی اشیاء کا کاروبار ہوتا ہے تو کیا زید امامت کرسکتا ہے؟

ج : نشیلی اشیاء بہت عام لفظ ہے، اس کی وضاحت ہونی چاہئے، بہرحال اس سے مراد اگر شراب یا ڈرگس کا کاروبار ہے تو زید اگر ان لوگوں کے ساتھ خوشی خوشی بلا نکیر کئے رہتا ہے، کھانا پینا ایک ساتھ رکھے ہوئے ہے، تو بلاشبہ وہ مرتکب فسق ہے، اور اس کی امامت مکروہ ہے، اور اگر آپ کی مراد کوئی اور چیز ہے تو اس کی وضاحت کے بغیر جواب نہیں دیا جاسکتا۔ (شامی ۱/۴۱۴)

س : عید کی نماز کے لئے عیدگاہ موجود ہے، پھر بھی کچھ لوگ سردی یا کسی اور عذر اور بہانے سے بستی کی مسجد میں نماز پڑھنا چاہتے ہیں تو کیا اس طرح کرنا جائز ہوگا؟

ج : سنت یہی ہے کہ عید کی نماز عیدگاہ میں ادا کی جائے لیکن بوڑھے اور کمزور لوگ مسجد ہی میں سردی یا کسی دشواری کی وجہ سے نماز ادا کرتے ہیں، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے جس میں خواہ مخواہ بحث و تکرار کی جائے، اس لئے کہ بعض فقہی کتابوں میں صراحت سے لکھا ہے کہ امام کیلئے عیدگاہ جاکر وہاں نماز پڑھانا اور کمزور لوگوں کے لئے بستی میں کسی کو اپنا نائب بنا کر وہیں ان کی نماز کا نظم کر دینا سنت ہے۔ لیکن جیسا کہ اوپر وضاحت ہو چکی ہے اصل یہی ہے کہ عید کی نماز باہر ہی پڑھی جائے۔ اور بلا عذر دو جگہ جماعت نہ کی جائے۔ (شامی ۱/۶۰۲)

س : زید کا دماغی توازن برقرار نہیں تھا، پاگل پن کے آثار ہیں، اس نے اپنی منکوحہ کو بیدردی سے مارا، اور جو لوگ بچانے گئے انہیں کے سامنے دو طلاق دی، خود زید کا کہنا ہے کہ نہ میں نے مارا اور نہ طلاق دی۔ اس صورت میں کیا حکم ہوگا؟

ج : اگر زید بایں طور پاگل ہے کہ وہ اچھے برے افعال کے درمیان تمیز کرنے والی قوت سے محروم ہوگیا ہے تو طلاق واقع نہیں ہوئی، اور اگر یہ صورت حال نہیں ہے تو صورت مسئولہ میں دو طلاق رجعی واقع ہو چکی ہیں، عدت باقی ہے تو رجوع کرسکتا ہے اور ختم ہوگئی ہو تو نکاح ثانی کی اجازت ہوگی۔ (شامی ۲/۴۶۱-۴۶۲)

س : خالد نے اپنی سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح کرلیا تو اس سلسلہ میں شریعت محمدیہ کیا کہتی ہے؟

ج : صورت مسئولہ میں نکاح درست ہوا۔ (ہندیہ ۱/۲۷۷)

س : میرے دو لڑکے اور ایک لڑکی ہے، میرے پاس کچھ زرعی زمین ہے، اس کے علاوہ ایک پلاٹ ہے جس پر میں نے اپنی کمائی سے دو قطعہ مکان بنایا ہے، میں بڑے لڑکے کے ساتھ رہتا ہوں، چھوٹا لڑکا اپنا حصہ زرعی زمین میں طلب کر رہا ہے، کیا میری زندگی میں اس کا حق بنتا ہے؟ اور کیا میں یہ کرسکتا ہوں کہ کسی کو مکان دوں اور کسی کو زرعی زمین؟

ج : آپ کی زندگی میں آپ کی آبائی یا خود سے تیار کی ہوئی جائیداد میں کسی کا کوئی حق نہیں بنتا ہے، ہاں آپ اپنے طور پر تقسیم کرنا چاہیں تو کرسکتے ہیں، اور زندگی میں آپ کو ہر طرح تقسیم کرنے کا اختیار ہے، چاہیں تو برابر برابر تقسیم کریں، اور چاہیں تو کسی کو کم اور کسی کو زیادہ دیں یا کسی کو مکان اور دوسرے کو کھیت دیں، لیکن شرعی حکم یہ ہے کہ زندگی میں تقسیم کرتے وقت لڑکوں نیز لڑکی سب کو برابر دیا جائے، حدیث شریف میں اس بات سے روکا گیا ہے کہ عطیہ دینے میں اولاد کے درمیان نابرابری کی جائے۔

س : ہم کو تنخواہ بینک سے ملتی ہے، اس میں چھ ماہ میں ۴٪ سود گزشتہ دو سالوں کا کتاب میں لکھ دیا گیا ہے، شریعت میں کیا حکم ہے، تحریر فرمائیں میں مویشی ہسپتال میں کام کرتا ہوں، محکمہ تنخواہ بذریعہ بینک دیتا ہے؟

ج : آپ کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ محکمہ کی طرف سے آپ کی جو تنخواہ مقرر ہے، مذکورہ سود بینک سے اس کے علاوہ ملا ہے، لہٰذا یہ رقم سود کی ہے، اس کو اپنے اوپر خرچ کرنے کے بجائے بلا نیت ثواب غریبوں پر صدقہ کرنا یا رفاہ عام کے کام میں لگانا ضروری ہے۔

(مستفاد از رحیمیہ ۹/۲۶۶)

ڈاکٹر خلیل الدین شجاع الدین مکہ مکرمہ

سنجے کمار پانڈے سے صالح کریم تک

بنارس ہندو یونیورسٹی کے فارغ التحصیل میڈیکل گریجویٹ ڈاکٹر سنجے کمار پانڈے پر اللہ رب العزت کی رحمتوں و برکتوں کا ابر سایہ فگن ہوا جب ۱۹۹۶ء میں ان کی زندگی کا سفر ظلمت سے نور اور تاریکی سے روشنی کی طرف شروع ہوتا ہے، حج ۱۴۲۸ھ بمطابق دسمبر ۲۰۰۷ء کے دوران حرم مکی شریف میں موجود عیادہ (کلینک) میں صالح کریم صاحب ملاقات کے لئے جب تشریف لائے تو دوران گفتگو جو تفصیلات حاصل ہوئیں اسے قارئین کے استفادہ کی خاطر سپرد قلم کیا جارہا ہے تاکہ ایمان کی حرارت میں اضافہ ہو اور اللہ کے ہزارہا بندوں تک توحید کا پیغام اور راہ حق کی دعوت پہنچانے کا مشن جاری رہے۔ (آمین)

بنیادی تعلیم وخاندانی پس منظر

سنجے کمار پانڈے صاحب کا تعلق ہندوستان کے صوبہ بہار سے ہے اور تاریخ پیدائش ۱۹/دسمبر ۱۹۷۴ء ہے آپ کی بنیادی تعلیم آر ایس ایس کے ماتحت سرسوتی شیشو مندر کی ایک شاخ سے ہوئی بعدازاں سمپورنانند سنسکرت یونیورسٹی وارانسی سے انہوں نے اپنی تعلیم کی تکمیل کی، صالح کریم صاحب نے ماضی کی یادوں کو سمیٹتے ہوئے کہا کہ چونکہ ان کی بنیادی تعلیم ایسے ماحول میں ہوئی جہاں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مختلف غلط فہمیاں موجود تھیں انہوں نے مزید کہا کہ میرا تعلق برہمن گھرانے سے تھا جہاں چھوت چھات اور نسلی امتیاز کا ماحول نمایاں تھا، اور جہاں ایک مخصوص ذات کے نوکر ہمیں ہاتھ تک نہیں لگا سکتے تھے، ہمارا خاندان پروہت گھرانا تھا، ہمارے علاقے میں اگر کسی کو کوئی مذہبی ریت رواج یا دھارمک پری کریا وغیرہ کرنا ہوتی تو ہمارے ہی گھر سے تمام معلومات حاصل کی جاتی تھیں ہمارے گھرانے کی ہر بات کو گویا کہ پتھر کی ایک لکیر سمجھا جاتا تھا۔

ایک اور سنجے کا مائل بہ اسلام ہونا

۱۹۹۲ء میں جب بابری مسجد کا سانحہ پیش آیا تو اس دوران مسلمانوں کے خلاف نفرت کی ایک دیوار کھڑی ہو چکی تھی، ان حالات میں سنجے کمار پانڈے صاحب کے ایک انتہائی قریبی دوست جن کا بھی اتفاق سے سنجے ہی نام تھا وہ اسلام کی طرف مائل ہوگئے صالح کریم صاحب نے بتایا کہ ہمیں معلوم ہوا کہ آہستہ آہستہ انہوں نے نماز بھی پڑھنا شروع کر دی، قریبی احباب نے ان کے اخلاق و برتاؤ میں زبردست فرق محسوس کیا، ہم انہیں دور رکھنے کی کوشش کرتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ ہمیں قریب رکھتے تھے، بہرکیف ان ایام میں ان کا یہ سلوک اور برتاؤ اور اخلاق ہماری سمجھ سے باہر تھا اور اس وقت ہماری یہ پوری کوشش تھی کہ کسی بھی طرح وہ اسلام کے قریب نہ ہونے پائے۔

مایوسی کا ایک طویل دور

صالح کریم صاحب نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا کہ چونکہ حق کو ہم نے جھٹلانے کی کوشش کی تھی اور باطل کا ساتھ دیا تھا اس لئے مالک و رب کائنات کی طرف سے ایک وارننگ یا آزمائش کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

انہوں نے کہا کہ میری معاشی حالت بگڑتی گئی، میرے اردگرد کے حالات بدلنے لگے، آہستہ آہستہ میں بالکل قلاش ہوگیا، لوگوں سے قرض لیتا رہا قرض دینے

والوں کے تقاضے بڑھتے گئے اور قرض کو مدت معینہ پر واپس ادا نہ کرنے کی بنا پر وہ میری جان کے درپے ہو گئے اور مجھے جان سے مارنے کی دھمکی بھی دی جانے لگی، گھر میں بہن کی شادی کا مسئلہ کھڑا ہو گیا، جہیز کی ادائیگی اور دولہے کو ایک بھاری رقم ادا کرنے کی ذمہ داری سر پر آ گئی، ایسی مایوسی میں ہر مندر میں جا کر گڑگڑانے لگا اور پتھروں کے سامنے سجدہ کرنے لگا لیکن اس وقت مجھے یہ خبر نہیں تھی کہ یہ تو پتھر ہے یہ خود اپنے مسائل حل نہیں کر سکتے اور ان پر بیٹھی مکھیوں کو اڑا نہیں سکتے بھلا وہ میری مدد کیا کر سکتے ہیں؟ گھر میں سب پریشان، میری وجہ سے والدین پریشان، والد صاحب کی نوکری بھی ختم ہو گئی خاندان کی زمین بیچنے کی نوبت آ گئی اور خودکشی کی طرف بھی میرا دھیان جانے لگا، گھر والوں سے دور، سماج سے دور، ہر چہار طرف سے مجھے ذلت و پریشانی ہی کا سامنا تھا غرض کہ ایک عرصہ ناامیدی اور مایوسی میں گزرا۔

نومسلم دوست سعید کمال سے اچانک ملاقات

وہ نومسلم دوست جو کسی زمانے میں بنجے تھے لیکن اب سعید کمال کے نام سے دینی خدمات انجام دے رہے تھے، اچانک ایک دن میرے پاس آ گئے میں نے اپنی ساری درد بھری روداد انہیں سنائی اس نومسلم دوست نے مجھے دلاسہ دیا اور میری ہمت بندھائی اور کہا کہ اس کائنات کا بس ایک ہی بادشاہ ہے اور وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی کی ذات اقدس ہے ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں اور اسی سے مدد طلب کرتے ہیں، اس نے ہمارے گھر ایک صاف جگہ تلاش کی اور ایک دھلی ہوئی چادر بچھا کر دو رکعت نماز ادا کی اور کہا کہ جب بھی کوئی مشکل آ پڑے اپنی پیشانی کو مالک کے سامنے ٹیک دیا کرو اور اسی سے سب کچھ مانگو، پھر بہت دیر تک سعید کمال نے رو رو کر ہمارے حق میں دعائیں بھی کیں اور یہ محض اللہ کی غیبی مدد تھی کہ جو خاندانی زمین برسوں سے بک نہیں رہی تھی اس نومسلم دوست کی دعاؤں کی برکت سے اس کی اچھی قیمت آ گئی اور والد صاحب کی نوکری دوبارہ بحال ہو گئی اور آہستہ آہستہ گھر کے مسائل بھی حل ہوتے نظر آنے لگے، اس کے بعد سعید کمال کا یہ معمول ہو گیا تھا کہ وہ جب بھی ہمارے گھر آتے دو رکعت نماز پڑھ کر اپنے مالک اللہ سبحان و تعالیٰ سے ہمارے لئے ضرور دعا کرتے اور ہمت دلاتے، ہمارے گھر کے سارے افراد سعید کمال سے ایک زمانے تک نفرت کرتے رہے لیکن اس کے باوجود ان کا ہمارے ساتھ اس قدر اچھا برتاؤ و سلوک تھا کہ ہمارے دل میں ان کے خلاف نفرت کے جذبات کم ہونے لگے اور آہستہ آہستہ یہ نفرت محبت و عقیدت میں بدلنے لگی۔

سعید کمال کا رات کے وقت رو رو کر دعا کرنا

صالح کریم صاحب نے بتایا کہ اب میرا زیادہ تر وقت سعید کمال صاحب ہی کے ساتھ گزرتا تھا اور میں انہیں روزانہ رات کے آخری حصے میں اٹھ کر نماز کی حالت میں روتے ہوئے دیکھتا تھا اور ہمارے حق میں وہ ہدایت اور تمام مسائل کے حل کے لئے اللہ پاک سے دعائیں مانگتے تھے، میرے دل میں سعید کمال صاحب کے لئے اب جگہ وسیع تر ہوتی جا رہی تھی، ایک دن میری زبان سے اچانک یہ نکل گیا کہ بھائی آپ کا ہم لوگوں پر بہت بڑا احسان ہے اب آپ جو بھی کہیں گے میں اسے خوشی سے قبول کروں گا، سعید کمال صاحب شاید انہیں لمحات کے منتظر تھے انہوں نے کہا کہ آپ اس بات کی گواہی دے دیں کہ اللہ وحدہ لاشریک ہی ساری کائنات کا مالک ہے وہی ہمارا رب ہے، اور وہی عبادت کے لائق ہے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری رسول ہیں۔

اسلام کیا ہے؟ نامی کتاب میری زندگی میں نئے موڑ کا سبب

بعد ازاں سعید کمال صاحب مجھے مستقل دین و آخرت کی دعوت دیتے رہے، صالح و خدا سے ڈرنے والے مسلمانوں سے میری ملاقات کراتے رہے، آہستہ آہستہ اسلام کی خوبیاں میری سمجھ میں آنے لگیں، بچپن سے ذہن میں پیوست اسلام کے خلاف مختلف غلط فہمیاں تہہ بہ تہہ صاف ہونے لگیں، چند دنوں بعد انہوں نے مولانا منظور نعمانیؒ کی تحریر کردہ ''اسلام کیا ہے؟'' نامی ایک کتاب ہندی میں پڑھنے کے لئے مجھے دی، میں نے اس کتاب کا ایک صفحہ پڑھا، دوسرا صفحہ پڑھا، اس طرح ساری کتاب مکمل کر دی، میری دلچسپی بڑھتی گئی میں نے ایک دو بار نہیں بلکہ کئی بار اس کتاب کو پڑھا، اس میں جب آخرت کا تذکرہ آیا تو اللہ پاک نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی کہ آخرت میں جنت و جہنم کا فیصلہ ہوگا اور اس وقت میرا حشر کیا ہوگا؟

بس میرے لئے یہی لمحات تھے جو ایک نئے رخ، نئے موڑ اور ایک (Turning Point) کا سبب بن گئے۔

میرے دل میں اندر کی دنیا آہستہ آہستہ بدلنے لگی اور پھر اسلام کی خوبیوں کو سامنے رکھتے ہوئے اور آخرت کا خوف و تصور کرتے ہوئے ہر بات کو سوچنے لگا اس طرح یہ کتاب اسلام کیا ہے؟ زندگی کے ایک نئے موڑ کا سبب بن گئی۔

صدق دل سے توبہ

صالح کریم صاحب نے کہا کہ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد ایک دن میں نے ٹھنڈے دماغ سے اپنا جائزہ لیا، سچے دل سے توبہ کی، اور اللہ پاک سے آئندہ ان تمام برائیوں سے بچنے کی دعا کی جنہیں قبول اسلام سے قبل میں عام سی بات سمجھتا تھا، پھر نماز بھی دل لگا کر اور خشوع و خضوع سے پڑھنے لگا اسلام کی خوبیوں کو سمجھتے ہوئے دوسروں کو اسلام کے اوصاف بتانے لگا، آہستہ آہستہ اللہ کے فضل و کرم سے میرے حالات سدھرتے گئے اور مختلف ذہنی پریشانیاں خود بخود ختم ہوتی گئیں، ذہن میں برسوں سے موجود غلط فہمیاں بھی زائل ہونے لگیں، اور اللہ کے فضل و کرم سے قدم بہ قدم راہیں ہموار ہونے لگیں۔

جنوری ۱۹۹۷ء میں مولانا خلیل الرحمن سجاد نعمانی صاحب سے ملاقات

صالح کریم صاحب نے بتایا کہ ان دنوں پٹنہ میں ایک بڑے عالم دین کے آنے کی خبر ملی، چونکہ میں دین کا ایک طالب علم تھا، کچھ سیکھنے کی تڑپ مجھ میں موجود تھی، اس مجلس میں میں بھی شریک ہوا، بعد ازیں عالم اسلام کی ایک مشہور و بزرگ شخصیت حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب کے صاحبزادے اور مشہور عالم دین مولانا خلیل الرحمن سجاد نعمانی صاحب سے ملاقات کا موقع نصیب ہوا، محترم مولانا سجاد صاحب سے جب میرا تعارف ہوا تو مولانا نے انتہائی شفقت کا معاملہ فرمایا، دوران گفتگو مجلس میں جب چائے پیش کی گئی تو مولانا سجاد صاحب نے چائے کی پیالی پہلے میری طرف بڑھا دی اور مجھ سے مخاطب ہوئے کہ پہلے آپ چائے کا ایک گھونٹ پی کر مجھے دے دیجئے پھر اس کے بعد میں اسی پیالی سے چائے پیوں گا، محترم مولانا سجاد نعمانی صاحب کی یہ بات میرے دل کو چھو گئی اور میں بہت متاثر ہوا کہ مسلمانوں کے نزدیک چھوت چھات اور بھید بھاؤ نہیں ہوتا، مولانا محترم نے لکھنؤ آنے کی دعوت دی چنانچہ مولانا کی دعوت پر میں پٹنہ سے لکھنؤ آ گیا اور جنوری ۱۹۹۷ء میں رمضان المبارک کا مہینہ تھا رمضان کے آخری عشرہ میں مولانا کے ساتھ اعتکاف میں شامل ہو گیا، جہاں مولانا سجاد نعمانی صاحب جہانگیر آباد جامع مسجد میں دعوت کا کام کیا کرتے تھے وہاں کے ماحول سے میں بہت متاثر ہوا اور صالح و اہل تقویٰ کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع بھی ملا۔

حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب سے ملاقات

صالح کریم صاحب نے کہا کہ فروری ۱۹۹۷ء میں حضرت مولانا منظور نعمانی سے

ملاقات کا موقع نصیب ہوا اور آپ کے حلقۂ ادارت میں بھی شامل ہوا، صالح کریم صاحب نے بتایا کہ حضرت مولانا سے ملاقات کے دوران جب مولانا منظور نعمانی سے یہ کہا گیا کہ حضرت آپ کی کتاب ''اسلام کیا ہے؟'' کا ہندی ترجمہ پڑھ کر یہ صالح کریم صاحب دائرہ اسلام میں داخل ہوئے ہیں تو یہ سن کر محترم مولانا رونے لگے اور انہیں روتے دیکھ کر مجھے بھی رونا آ گیا اور میرے دل پر اس کا گہرا اثر ہوا، بعد ازیں میرے تعلق سے جب محترم مولانا سے مشورہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اسلام کی خاطر اور اللہ رب العزت کی خوشنودی کے لئے ہجرت کر کے لکھنؤ آجایئے اور پھر میں نے لکھنؤ منتقل ہونے کا قوی ارادہ کرلیا۔

اسلام کی نسبت پر ہجرت

صالح کریم صاحب نے بتایا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر اور اپنے آپ کو اسلام کے طرز پر سپرد کرنے کی نیت سے جب بہار سے لکھنؤ آنے کا ارادہ کیا تو گھر والوں نے مجھے لکھنؤ سفر کرنے سے صاف منع کر دیا اور سختی سے میرے ساتھ معاملہ کرنا چاہا، میں تنہائی میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا کرنے لگا کہ اے باری تعالیٰ اگر اب مجھے تیرے دین کی نسبت پر جانے کی اجازت نہیں ملی تو پھر شاید زندگی بھر اس دلدل اور تاریکی سے نکل نہیں سکوں گا اور ہدایت سے محروم ہو جاؤں گا، گھر کی چھت پر رات کی تنہائی میں دل کی گہرائیوں سے اور آنکھوں میں آنسو لئے ہوئے میں اپنے مالک سے ہدایت وسلامتی کی دعا مانگنے میں مصروف تھا کہ اسی دوران ماتا جی نے مجھے سجدہ میں روتے ہوئے دیکھ لیا، والدہ محترمہ نے مجھے دلاسہ دیا اور میرے ہمت بندھائی، والدہ ماجدہ نے ہمارے بابا سے کہا کہ اسے ایک دو ہفتہ گھومنے کے لئے لکھنؤ جانے دیجئے، گھوم پھر کر واپس آجائے گا، اسی وقت والد صاحب نے مجھے لکھنؤ جانے کی اجازت دے دی اور میں خوشی سے سرشار ہو گیا کہ دین کی نسبت پر اب مجھے لکھنؤ جانے کا موقع مل رہا ہے۔

والد صاحب کی جانب سے رکاوٹ اور اللہ کی مدد

صالح صاحب نے بتایا کہ ۱۹؍اپریل ۱۹۹۷ء کو پٹنہ سے لکھنؤ جانے کے لئے ٹرین کا ریزرویشن ہو چکا تھا، ایک دن قبل پتا جی اچانک میرے پاس آگئے اور انتہائی غصہ کی حالت میں کہا کہ تم اب لکھنؤ ہرگز نہیں جاسکتے، پتا جی سے میں نے انتہائی ادب و احترام سے کہا کہ پہلے آپ مجھے اجازت دے چکے ہیں کہ ایک دو ہفتہ کے لئے لکھنؤ چلے جاؤ لیکن اب آپ کیوں منع کر رہے ہیں؟ میں ایک عظیم مقصد کے تحت جانا چاہتا ہوں اس لئے ضرور جاؤں گا۔ صالح کریم نے کہا کہ اس وقت بابا کے ہاتھ میں ایک تھیلا تھا انہوں نے زور سے اسے پٹکا اور کہا کہ مجھے اور گھر کے سارے افراد کو زہر دے کر مار دو اور ہماری موت کے تم ذمہ دار ہوگے، پھر کہا کہ ہمیں مرنا پسند ہے لیکن تمہارا اسلام میں داخل ہونا کسی بھی صورت میں منظور نہیں۔

صالح کریم صاحب نے کہا کہ ایسے دشوار گزار لمحات میں مجھے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا کہ پتا جی کو میں کیا کہوں؟ بے ساختہ میری زبان سے یہ جواب نکل گیا کہ پتا جی اس دنیا میں جتنے بھی انسان آئے ہر ایک کو ایک نہ ایک دن مرنا ہے اور ہر ایک کی موت کا کچھ نہ کچھ سبب ہوتا ہے کسی کی موت بیماری سے ہوتی ہے تو کسی کی حادثہ سے اور اگر آپ کی موت کا سبب مجھے ہی لکھا گیا ہے تو قدرت کے اس فیصلے کو کوئی ٹال نہیں سکتا، بابا غصے میں نکل گئے اور میں بابا کے حق میں دعا کرتے ہوئے اور اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے لکھنؤ کی طرف ہجرت کے لئے نکل پڑا۔

لکھنؤ میں حضرت مولانا منظور نعمانیؒ کی خدمت میں

صالح کریم صاحب نے کہا کہ اسلام اور دعوت الی اللہ کی نسبت پر ۱۰؍اپریل کو لکھنؤ کی جانب میرا سفر ہوا اس موقع سعید پر میرا قیام مولانا منظور نعمانیؒ ہی کے گھر پر تھا، ان ایام میں مولانا سخت بیمار تھے اور اسپتال میں زیر علاج تھے، چونکہ محترم مولانا سے مجھے عقیدت بھی تھی اور محبت بھی، لہٰذا مولانا کے انتقال سے قبل تقریباً ۲۵ دنوں تک آپ کی خدمت کا موقع مجھے نصیب ہوا اور ان لمحات کو میں اپنی زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ اور اثاثہ سمجھتا ہوں، علالت کے دوران محترم مولاناؒ کو مجھے بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، مولانا پر نیم بے ہوشی کی کیفیت اکثر رہتی تھی لیکن اس کے باوجود محترم مولاناؒ کا ہر عمل سنت کے مطابق ہوتا تھا، مثلاً کوئی آپ کا لباس تبدیل کر رہا ہے تو پہلے دائیں ہاتھ میں اور اسی طرح پیر میں پہنتے، محترم مولاناؒ کی زبان کی حرکت سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اللہ اللہ کا ذکر آپ کی زبان سے ادا ہو رہا ہے، بیماری کی اس کیفیت میں جب بھی ہوش آجاتا اور مجھے دیکھتے تو بہت خوش ہوتے اور کبھی کبھی میرا ہاتھ پکڑ کر روتے اور دعا کرتے تھے مولانا کا انتقال ۴؍مئی ۱۹۹۷ء کو ہوا، مولاناؒ کے انتقال کے بعد لکھنؤ میں مولاناؒ کے صاحب زادے اور مشہور عالم دین مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی دامت برکاتہم کے ساتھ غیر مسلموں میں کام کرنے کا اللہ نے موقع عنایت کیا۔

چند دن عروس البلاد، بمبئی میں

صالح کریم صاحب نے بتایا کہ مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پر مولانا منیر احمد صاحب جب لکھنؤ تشریف لائے تو دائرہ شاہ علم اللہ تکیہ، رائے بریلی کے لئے لکھنؤ تا رائے بریلی مولانا منیر صاحب کے ساتھ سفر ہوا، بعد ازیں محترم مولانا کے مشورہ سے ممبئی منتقل ہونے کا فیصلہ ہوا جہاں الحمدللہ دین کی خدمت کا بھی اللہ نے موقع عطا فرمایا۔

اللہ کے فضل و کرم سے نکاح کا طے ہونا

صالح کریم صاحب نے بتایا کہ ممبئی منتقل ہونے سے قبل ان کے رشتہ ازدواج کا موضوع زیر بحث تھا، صالح کریم صاحب نے کہا کہ میرے سسرال والوں کا تعلق بھی برہمن خاندان ہی سے تھا، انہوں نے مجھ سے شادی کی بات چیت جب شروع کی تو میں نے انتہائی سادگی کے ساتھ شادی کی تمام تقریبات کو ادا کرنے کی درخواست کی، صالح کریم صاحب نے کہا کہ میں شادی میں کسی بھی قسم کا جہیز نہیں لوں گا اور کوئی باجہ وغیرہ نہیں ہوگا، شادی میں کھانے کا انتظام آپ کریں گے لیکن سارا خرچ میں ادا کروں گا، میری سسرال والوں کو یہ تمام باتیں چونکہ رسم ورواج کے خلاف تھیں لہٰذا انہیں کچھ عجیب سا محسوس ہو رہا تھا لیکن ساتھ ساتھ انہیں خوشی بھی ہو رہی تھی کیونکہ جہیز جیسی لعنت سے میری حفاظت فرما رہا تھا اور شادی بیاہ میں لڑکی والوں پر غیر ضروری سوجھ سے اجتناب کرنے پر خوشی بھی محسوس ہو رہی تھی، اور یہ ساری چیزیں مجھے الحمدللہ اسلام میں داخل ہونے پر سجھائی دے رہی تھیں کہ میری ہر ممکن کوشش تھی کہ اللہ کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ ہونے پائے۔

سجدہ یا سشٹانگ

صالح صاحب نے کہا کہ ایک دن سسرال والوں نے نماز ادا کرتے ہوئے دیکھ لیا تو انہوں نے پوچھا کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں، میں نے جواب دیا کہ میں ایک ایشور کی پوجا کرتا ہوں اور مورتی پوجا سے اپنے آپ کو بچاتا ہوں، اور ایک ایشور اور ایک مالک ہی کے سامنے سر جھکاتا ہوں اور یہ سجدہ ہے جسے آپ سشٹانگ کہتے ہیں، صالح کریم صاحب نے بتایا کہ ''س اسشٹ انگ''، یعنی آٹھ انگوں (جسم کے حصوں) کے ساتھ مالک کے سامنے سر ٹیکنا ہوتا ہے جسم کے وہ آٹھ حصے کون سے ہیں اس کی وضاحت کرتے ہوئے صالح کریم صاحب نے بتایا کہ ان آٹھ حصوں سے مراد پیشانی، ناک، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پنجے، اور ان آٹھ حصوں کو

مالک کے سامنے جب جھکایا جاتا ہے تو اسی کو نماز کہتے ہیں، اور میں دن میں پانچ بار مالک کے سامنے اسی طرح جھکتا ہوں اور اسی کی عبادت کرتا ہوں۔

صالح کریم صاحب نے کہا کہ میری ان باتوں سے سسرال والے بہت متاثر ہوئے اور کہا کہ یہ تو بہت اچھی چیزیں ہیں اور آپ یہاں ہمارے گھر پر یہ عبادت کیوں نہیں کرتے، آخر مجھے اطمینان ہوگیا کہ سسرال والوں کو اب معلوم ہوگیا ہے کہ میں مسلمان ہوں اور چھپ کر نماز پڑھتا ہوں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کے دلوں میں جب نماز کی عظمت وہیبت ڈال دی تو دوسرے دن فجر میں انہوں نے ہی مجھے جگایا کہ آپ یہاں نماز پڑھ سکتے ہیں اور اس طرح نماز کا سلسلہ باقاعدہ ان کے گھر شروع ہوگیا اور بے خوف وخطر میں نے نماز کھلے عام پڑھنا شروع کیا اور اللہ کے فضل و کرم سے مجھے مزید تقویت وہمت حاصل ہوتی گئی۔

سسرال والوں کا قبول اسلام

صالح کریم صاحب نے کہا کہ اللہ کے فضل وکرم سے میری اہلیہ کا تعلق بھی برہمن گھرانے سے ہی تھا اور وہ اب نینا پانڈے سے مریم صالح ہوگئیں اور الحمد للہ میری سسرال والوں کو آہستہ آہستہ اسلام کی خوبیاں سمجھ میں آنے لگیں۔

سارے سنسار کا مالک صرف ایک ہی ہے اور ساری کائنات اسی ذات اقدس کے قبضہ وقدرت میں ہے اور اسی کی ذات بس لائق عبادت ہے، جب یہ بات سسرال والوں کی سمجھ میں آگئی اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کے لئے ہدایت کی راہیں ہموار کردیں تو چھ ماہ بعد وہ بھی اسلام میں داخل ہوگئے اور دل کی گہرائیوں سے انہوں نے ''**اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمداً عبدہ و رسولہ**" کا اقرار بھی کرلیا۔

بعد ازیں فروری ۲۰۰۲ء میں صالح کریم صاحب کا نکاح مریم صالح (قدیم نام نینا پانڈے) سے طے ہوا، اللہ رب العزت نے انہیں تین بیٹیاں عطا کیں ایک بیٹی آسیہ اللہ کو پیاری ہوگئی اور دو بیٹیاں آمنہ اور عائشہ ماشاء اللہ اب دین واسلام کا بنیادی درس اور قرآن کریم سیکھنے کے ابتدائی مراحل میں مصروف ہیں۔

مسلمانوں کے نام صالح کریم صاحب کا پیغام

قربانی دیئے بغیر اور وراثت میں حاصل ہونے والے مجھ جیسے کئی وراثتی مسلمانوں کے ضمیر کو جھنجھوڑنے کے لئے صالح کریم صاحب کا درج ذیل پیغام ہمیں دعوت دیتا ہے کہ اسے عملی جامہ پہنایا جائے۔

مسلمانوں کے نام پیغام دیتے ہوئے صالح کریم صاحب کے جذبات و احساسات سے ایسا محسوس ہورہا ہے کہ گویا ایک چشمہ ابل پڑا اور انہوں نے کہا کہ اللہ پاک نے اگر ایک باپ کو کئی اولاد دی اور کسی ایک یا دو کے پاس دولت و جائیداد زیادہ ہے اور کسی کے پاس کم تو جس کے پاس زیادہ دولت ہے تو ان کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے دوسرے بھائیوں کا برابر خیال رکھیں اور انہیں بھی وراثت میں برابر کا حق دیں اور اگر ان میں کوئی صحیح حق ادا نہیں کرے گا تو اللہ کے نزدیک وہ شخص گناہگار قرار دیا جائے گا، اسی طرح سے جب مسلمان جنت میں جارہے ہوں گے تو دوسرے لوگ اللہ پاک سے یہ بھی کہیں گے کہ اے اللہ یہ شخص ہمارا پڑوسی تھا، دن رات ہمارے ساتھ رہتا تھا، ہمارے ساتھ دنیا کے سارے کاروبار کرتا تھا لیکن کبھی بھی اس نے ہمیں اسلام کے بارے میں نہیں بتایا، اس لئے قیامت کی ایسی گھڑی آنے سے پہلے پہلے ہم دوسروں تک حق کی بات پہنچادیں تاکہ کل حشر میں ہماری گرفت نہ ہو، ایسے انجام سے بچائے۔ (آمین)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایک نمونہ کامل

صالح کریم صاحب نے مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ آخری نبی

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف میں حق کی دعوت دیتے ہوئے پتھر کھائے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین مبارک خون سے تر ہوگئیں، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حق کی خاطر اپنے پیٹ پر پتھر تک باندھا اور تمام مشقیں برداشت کیں محض اس لئے کہ دوسروں تک اللہ کا پیغام پہنچ جائے اور جہنم کی آگ کا ایندھن بننے سے وہ لوگ بچ جائیں۔

لہٰذا ہمارے لئے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ایک مثالی نمونہ (Ideal & Final Model) ہیں، لہٰذا ہم صرف اپنی ذات تک ہی اسلام کو محدود نہ رکھیں بلکہ اجتماعی طور پر ساری انسانیت تک دعوت الی اللہ پہنچانے کی کوشش کریں۔

دعوت الی اللہ دین کا ایک جزو لازم

دعوت الی اللہ پر زور دیتے ہوئے صالح کریم صاحب نے کہا کہ یہ دین کا ایک اہم فریضہ اور جزو لازم ہے کیونکہ دعوت الی اللہ کی اہمیت کو اگر ہم سمجھیں گے تو ہمارا ایمان قائم رہے گا، ہمارا ایمان مضبوط ہوگا، ہماری نمازیں باقی رہیں گی ہمارا حج صحیح طریقے پر ادا ہوگا، ہماری زکوٰۃ وقت پر ادا ہوگی، ہمارے روزے تقویٰ کا مظہر ہوں گے، صدقات ہم برابر دیتے رہیں گے، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی ہم صحیح طور پر کریں گے، اور بہ حیثیت مومن ہماری شناخت باقی رہے گی، اس لئے دعوت الی اللہ ہی ہماری زندگی کا اساس ہونا چاہئے،

صالح کریم صاحب نے کہا کہ دعوت الی اللہ ہی کی خاطر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم طائف میں پتھر کھائے، دعوت الی اللہ کی وجہ سے آپ کا مکہ مکرمہ میں سوشل بائیکاٹ کیا گیا، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو احد کا پہاڑ سونے کا ہوجاتا لیکن آپ نے تکالیف وصعوبتوں کو اس لئے برداشت کیا کہ اللہ کی دعوت اور اللہ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچ جائے۔

جو دعوت الی اللہ سے جڑا اللہ نے اسے مقبول ومحبوب بنالیا

صالح کریم صاحب نے مزید ایک نکتہ پر زور دیا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے اپنے ایک سفر میں نوے لاکھ سے زیادہ لوگوں کو دین حق کی دعوت پہنچائی اور آج بھی غیر مسلموں کا ایک کثیر طبقہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی قبر پر انتہائی عقیدت ومحبت سے حاضری دیتا ہے جب کہ بصورت دیگر اورنگ زیب اتنے بڑے مغل شہنشاہ گزرے ہیں لیکن انہوں نے حکومت کی تگ ودو میں ساری زندگی صرف کی تھی اور دعوت اللہ کو انہوں نے اپنا مشن نہیں بنایا تھا اور ہم دیکھتے ہیں کہ غیر مسلموں کا ایک بڑا طبقہ ان کا نام اتنی عزت واحترام سے نہیں لیتا جس قدر حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا لیتا ہے، لہٰذا اصل غرض مدعا بس یہی ہے کہ دعوت اللہ کے مشن سے جو بھی منسلک ہوگیا رب العزت نے اسے اپنا مقبول ومحبوب بندہ بنالیا۔

غیر مسلموں کے نام پیغام

صالح کریم صاحب نے غیر مسلموں کے نام پیغام دینا چاہا ہے کہ ایک دوسرے کو جانے پہچانے بغیر آپس میں بھید بھاؤ نہ کریں اور نفرت کی دیوار کو قائم نہ کریں، اور میں یہ نہیں کہتا کہ نفرت کی دیوار کو توڑ دیں بلکہ میری یہ درخواست ہے کہ اس دیوار کی اونچائی کو تھوڑا کم کردیں تاکہ ایک دوسرے کو ہم قریب سے دیکھ سکیں، اور اپنے مذہب کی پرانی کتابوں کا بھی گہرائی سے مطالعہ کریں اور یہ جاننے کی کوشش کریں کہ کیا واقعی ہم صحیح دھرم پر عمل رہے ہیں؟ یا صرف چند من گھڑت چیزوں میں لگے ہوئے ہیں، کیونکہ ہمارے دھرم اور ہمارے عمل میں آج اتنا ہی فرق ہے جتنا زمین وآسمان میں ہوتا ہے، اور اگر ہم صرف اپنی پرانی کتابوں کو ہی دیکھیں گے تو حق کے بہت قریب پہنچ جائیں گے اور یہ بات آسانی سے ہمیں سمجھ میں آجائے گی کہ حق وہدایت کا راستہ صرف ایک ہی ہے اور وہ امن وسلامتی کا راستہ اسلام ہی کا راستہ ہے جسے ہمیں دل کی گہرائیوں سے قبول کرلینا چاہئے، اللہ ہم

سبھوں کو حق بات سمجھنے اور دوسروں تک حق کی دعوت دینے کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

درس عبرت اور خلاصہ کل

صالح کریم صاحب کی زندگی کا جائزہ لینے کے بعد یہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ سعید کمال صاحب (بنجے) کے اخلاق نے صالح کریم (سنجے) پانڈے) پر گہرا اثر ڈالا کہ وہ بھی اسلام کے گرویدہ و فریفتہ ہوگئے اور علماء و صلحاء کی صحبت نے اس پر مزید اپنا رنگ جمایا غرض کہ امت محمدیہ کا ہر فرد اگر اپنے آپ کو اخلاق سے مزین کرلے تو آج ساری انسانیت کو راہ حق کی طرف بلایا جاسکتا ہے۔

ضروری ہے کہ ملت اسلامیہ کا ہر فرد معلم انسانیت و معلم اخلاق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے قرآن کریم میں موجود ان مبارک الفاظ کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالے کہ (**وانك لعلى خلق عظيم**) سورہ القلم آیت نمبر ۴، ترجمہ: اور بیشک آپ خلق عظیم پر فائز ہیں، اور بقول حضرت عائشہؓ (کان خلقه القرآن) آپ کا خلق قرآن ہی ہے۔

اللہ کی ذات سے امید ہے کہ انشاء اللہ اس پر عمل کے بعد دنیا کا نقشہ کچھ اور ہی ہوگا، اللہ پاک سے دعا ہے کہ اللہ صحیح سمت میں ہماری رہنمائی فرمائے۔ (آمین)

●●

حمد باری تعالیٰ

وجیہ الدین جامی صدیقی

تیرے کرم کی یا رب ہر سمت ہیں صدائیں
تیر عنایتوں کو ہم کس طرح گنائیں
ارض و سما کے مالک دونوں جہاں کے آقا
ہے تیری بادشاہی ہم جس جگہ بھی جائیں
تیرے ہی لفظ کن سے یا رب ہے اس جہاں میں
بلبل کی نغمہ سنجی، پھولوں کی خوش قبائیں
ہیں بحر و بر میں تیرے احکام آشکارا
ہر جا ہے تیرا جلوہ، ہر سو تری فضائیں
گہرے سمندروں میں تیری ہی حکمرانی
اونچے پہاڑ تیری عظمت کے گیت گائیں
میدان ہو کہ دریا، گلشن ہو یا کہ صحرا
سب پر تری عنایت، سب پر تری گھٹائیں
جس دم بھی صدق دل سے سجدہ میں سر کو رکھا
فیروز مندیوں نے نصرت نے لیں بلائیں
ہرگز نہ ہوگا ہم سے اے عز و شان والے
تیرے سوا کسی کی چوکھٹ پہ سر جھکائیں
تیرے خلاف ہوکر یاں رہ سکا نہ کوئی
دی سرکشوں کو تو نے بے انتہاء سزائیں
بخشے ہیں تو نے ہم کو عقل و فہم کے جوہر
تو نے بتائیں یا رب ہر درد کی دوائیں
میرے کریم تجھ سے بس اتنی التجا ہے
تو بخش دے خدا یا جامی کی سب خطائیں

وضو جلدی امراض کا محافظ

اللہ کے رسولؐ نے ارشاد فرمایا "جس بندہ مومن نے وضو کیا اور خوب عمدہ طریقہ سے وضو کیا تو اس کے جسم سے گناہ دھل جاتے ہیں یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں۔" ایک دوسری حدیث میں ارشاد نبویؐ ہے: "میری امت، روز قیامت اس حال میں آئے گی کہ اس کے ہاتھ پیر وضو کے اثر سے روشن اور چمکدار ہوں گے۔" پس تم میں سے جو شخص اپنی چمک کو بڑھانا چاہے تو وہ اچھی طرح وضو کرے۔

چنانچہ وضو کی پابندی کرنے والوں اور نہ کرنے والوں کے جراثیمی مناقب کی خوردبینی جانچ کے بعد یہ نئی تحقیق سامنے آئی ہے کہ جو لوگ پابندی کے ساتھ وضو کا اہتمام کرتے ہیں ان میں زیادہ تر لوگوں کی ناک آلائش سے پاک صاف ستھری اور بیکٹیریا سے مبرا ہوتی ہے۔ لہٰذا ایسے تمام افراد کے ناک کے جراثیمی مناقب ہر قسم کے جرثوموں سے پوری طرح محفوظ پائے گئے جب کہ پابندی سے وضو نہ کرنے والے اشخاص کی ناک کے داخلی بیکٹیریائی مناقب بڑی تعداد میں مختلف اقسام کے کثیر خلوی سرعتی متعدی خورد عضوؤں سے بھرے پائے گئے جو کئی طرح کی بیماریوں کو جنم دیتے ہیں۔ جدید تحقیق سے یہ بات بھی ثابت ہوچکی ہے کہ ناک میں جرثوموں کی افزائش سے زہریلی پرتیں جم جاتی ہیں اور ناک کے سوراخوں سے یہ زہر معدے اور آنتوں تک رسائی پاکر آنتوں کی سوزش اور متعدد بیماریوں کا سبب بنتا ہے خاص کر خون کے دوران سے یہ امراض اور بھی پھیلتے ہیں اسی وجہ سے وضو میں مسلسل تین مرتبہ ناک کے اندر پانی پہنچا کر اس کو زور سے جھاڑنے کا حکم دیا گیا ہے اسی طرح کلی کرنے سے منہ اور حلق کی سوزش و جلن سے تحفظ ملتا ہے اور مسوڑھوں میں پیپ کی تولید کی روک تھام کے ساتھ ساتھ پس خردہ غذائی ریشوں کے ازالے سے دانت بوسیدگی اور کمزوری کے خطرات سے بچتے رہتے ہیں۔

یہ تحقیق سامنے آئی ہے جو لوگ دانتوں جیسی بے بہا نعمت سے محروم ہوجاتے ہیں ان میں ۹۰ فیصد لوگ ایسے ہیں کہ اگر وہ دانتوں کی نظافت کا خیال کرتے تو وقت سے پہلے اس خداداد دولت سے محروم نہ ہوتے۔ نیز دانتوں کے اندر پیپ اور اس کے سبب تعفن کے پیدا ہوجانے سے لعاب اور کھانے کے ساتھ یہ پیپ معدے میں پہنچ کر خون میں شامل ہوجاتے ہیں جس سے بہت سی بیماریاں پیدا ہونے لگتی ہیں۔ اسی طرح کلی چہرے کے عضلات کو نمو اور ترقی دینے کے ساتھ ساتھ اس کو گول بھی رکھتی ہے۔ ورزش و صحت کے جسمانی ماہرین اس طرح کی مشق کی طرف بہت کم توجہ مبذول کرپاتے ہیں کہ ان کی توجہ کا مرکز جسم کے بڑے بڑے اعضاء اجزاء ہوتے ہیں۔ اسی طرح چہرہ دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت اور پیروں کو ٹخنوں تک دھونے سے گرد و غبار اور اس کے اندر موجود جراثیم کا خاتمہ ہوجاتا ہے اور کھال اس چکنے مادے سے پاک و صاف ہوجاتی ہے جس کو جلدی غدود خارج کرتے ہیں اور پسینے سے بھی راحت نصیب ہوتی ہے۔ تحقیق جدید سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بیکٹیریا اسی شخص کی کھال پر زیادہ حملے کرتے ہیں جو اس کی صفائی وغیرہ کی طرف توجہ نہیں دیتا ہے۔ اس لئے کہ آدمی جب لمبے عرصے تک اپنے جسمانی اعضاء کو غسل نہیں دیتا ہے تو پسینہ اور چکنائی کے سبب کھال کے اندر سے نکلنے والا مادہ کھال کی سطح پر پرت جمالیتا ہے جس میں دید خارش پیدا ہوتی ہے اور اسے ناخنوں سے کھجلانے پر آدمی مجبور ہوجاتا ہے۔ ناخن چونکہ اکثر و بیشتر صاف ستھرے نہیں ہوتے، اس لئے ان کے ذریعہ بیکٹیریا کھال کے اندر سرایت کرجاتے ہیں۔ اسی کی کھال پر جما ہوا میل کچیل بھی بیکٹیریا کو دعوت دیتا ہے اور ان کے تمیہ و توالد کا ذریعہ بنتا ہے۔

علم جراثیم کی تازہ رپورٹ اور نباتاتی جراثیم کی خوردبینی تحقیق سے بھی یہی نتیجہ نکلا ہے کہ جراثیم اس کھال پر زیادہ حملہ کرتے ہیں جس کی نظافت و طہارت کا خیال اس انداز